ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

11 رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ نومبر 2004ء

- علماء کی شہادت، دہشت گردی کی نئی لہر
- پرویز بادشاہ، مسئلہ کشمیر اور سرنگ کے آخر میں روشنی
- روزہ ــــــ اسلام کی تیسری بنیاد
- عیدالفطر ــــــ صدقۃ الفطر

بیاد محدد دینی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ — امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ: 28 نومبر 1961ء

الحمد للہ

مدرسہ معمورہ ملتان

کی توسیع کے لیے مدرسہ سے ملحق مکان خرید کر تعلیم شروع کر دی گئی ہے۔ مدرسہ 7 لاکھ روپے کا مقروض ہے۔ ادائیگی قرض کے سلسلے میں اہل خیر احباب و متعلقین فوری توجہ فرمائیں اور اس کار خیر کی تکمیل میں بھرپور تعاون فرمائیں۔

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری (مدرسہ معمورہ)
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان

✪ الحمد للہ درجہ حفظ و ناظرہ تعلیم قرآن کریم، درجہ کتب درس نظامی اور شعبہ پرائمری میں اس وقت 150 طلباء زیر تعلیم ہیں ✪ 7 اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں ✪ 50 طلباء مدرسہ میں رہائش پذیر ہیں ✪ طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ قائم ہے۔ جس میں حفظ قرآن کریم اور دورۂ حدیث تک تعلیم دی جاتی ہے ✪ مدرسہ معمورہ، مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تعلیم "وفاق المدارس الاحرار" سے ملحق ہے ✪ ملک کے مختلف شہروں میں 36 دینی مدارس، وفاق المدارس الاحرار کے زیر انتظام چل رہے ہیں ✪ 15 مدارس کے اخراجات وفاق المدارس کے ذمہ ہیں ✪ مدرسہ معمورہ اور جامعہ بستانِ عائشہ کا "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" سے بھی الحاق ہے اور اسی کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جارہی ہے۔

الداعی الی الخیر
سید عطاء المہیمن بخاری (ابن امیر شریعت) مہتمم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
فون: 061-511961

To, Syed Muhammad Kafeel Bukhari (MADRASAH MAMURAH)
Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony Multan. (Pakistan) Tel:061-511961
Current Account # 3017-2, U.B.L. Kutchery Road, Multan

احرار گرافکس

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان
REGD.M#32
جلد 15/ شمارہ 11/ نومبر 2004ء/ رمضان ۱۴۲۵ھ
ISSN 1811-5411

بیاد: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

سرپرستی
حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

مسئول
سید محمد کفیل بخاری

معاون مدیر
شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

رفقاء فکر
چوہدری ثناء اللہ بھٹہ، پروفیسر خالد شبیر احمد
عبداللطیف خالد چیمہ، سید یونس الحسنی
مولانا محمد مغیرہ، محمد عمر فاروق

آرٹ ایڈیٹر
الیاس میراں پوری
i4ilyas1@hotmail.com

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک: 150 روپے
بیرون ملک: 1000 روپے
فی شمارہ: 15 روپے

ترسیل زر بنام: "نقیبِ ختمِ نبوت"
اکاؤنٹ نمبر: 1-5278
یو بی ایل، چوک مہربان ملتان

تشکیل

دل کی بات: اداریہ	مدیر	3
افکار: علماء کرام اور پاکستانی سیاستدان	سید یونس الحسنی	5
// ایک نصیحت آموز کہانی	ضیاء الدین لاہوری	7
انتخاب: "آج میں آزاد ہوں اپنے وطن میں"	سید عطاء المحسن بخاریؒ	9
// تاریخ کا سچ	حافظ عبدالرشید ارشد	13
دین و دانش: درس قرآن	محمد احمد حافظ	15
// درس حدیث	یحیٰی نعمانی	19
// عید الفطر...... صدقۃ الفطر	سید ابوذر بخاریؒ	22
// روزہ...... اسلام کی تیسری بنیاد	سید عطاء المحسن بخاریؒ	25
// خلافت و ملوکیت (قسط: ۸)	پروفیسر قاضی طاہر الہاشمی	29
// حسنِ سلوک	محمد اویس قرنی	35
شاعری: حمد (حافظ عبدالجبار عمر) نعت (شورش کاشمیریؒ) صیام کے دن ہیں (سید عطاء المحسن بخاری) احساسات (سیدہ اُم کفیل مدظلہا) بش، بلیئر سے دوستی کیسی؟ (ابوسفیان تائب)		37
نقد و نظر: اقبال کے افکار کا جائزہ 'خطبات کی روشنی میں	پروفیسر عابد صدیق	42
ردِّ قادیانیت: شیخ راحیل احمد کی ایمان افروز باتیں	پروفیسر خالد شبیر احمد	49
اخبار الاحرار: مجلس احرار اسلام پاک و ہند کی سرگرمیاں	ادارہ	53
روشنی: ظلمت سے نور تک	ادارہ	61
آخری صفحہ:	ساغر اقبالی	64

مقام اشاعت: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

ای میل ایڈریس: majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com
فون 061-511961

تحریک تحفظ ختم نبوۃ شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان

نورِ ہدایت

القرآن

’’ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا ○ اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ ○ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے ○ اس میں روح (الامین) اور فرشتے ہر کام کے (انتظام کے) لیے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں ○ یہ (رات) طلوع صبح تک (امان اور) سلامتی ہے ○‘‘

(سورۃ القدر، آیت ۱ تا ۵)

الحدیث

’’سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے‘ ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے‘ ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے‘ ان کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔‘‘ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

الآثار

’’کاش! پاکستان کی منتقم حکومت اپنے اٹھتے ہوئے ہاتھ، بڑھتے ہوئے قدم اور دخمہ کی طرف پھرتا منہ واپس کر لے تو اسی کا بھلا ہے۔ دوسروں کو تنقید برداشت کرنے کا مشورہ دینے والی حکومت خود بھی تنقید برداشت کرے۔ لوگوں کا محاسبہ کرنے والی حکومت اپنے اعمال کا بھی محاسبہ کرے۔ قبل اس کے کہ اس کا محاسبہ کوئی دوسرا کرے اور پھر یہاں بھی اندلس کی تاریخ دہرائی جائے۔ جیسے اللہ پاک دنوں کو تمہارے اور ہمارے درمیان ’’متداول‘‘ رکھتے ہیں۔

و تلک الایام نداولھا بین الناس!

’’اور دراصل یہ (ہار جیت کے) اوقات ہیں‘ جنہیں ہم انسانوں میں ادھر ادھر پھراتے رہتے ہیں۔‘‘ (آل عمران)

(سید عطاء المحسن بخاریؒ، کالم ’’روزنامہ خبریں‘‘۔ ۳۰ رمارچ ۱۹۹۵ء)

دل کی بات

علماء کی شہادت ۔ دہشت گردی کی نئی لہر

۷/اکتوبر۲۰۰۴ء کی صبح ملتان میں صبحِ قیامت تھی ۔ رشید آباد کالونی میں مولانا محمد اعظم طارق شہید کی یاد میں منعقدہ کانفرنس تمام رات جاری رہی ۔ ساڑھے چار بجے اختتامی دعا ہو رہی تھی اور لوگ جلسہ گاہ سے اٹھ کر اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے ۔ کسی بد بخت نے راستے میں کھڑی کار کو ریموٹ بم سے اڑا دیا ۔ تقریباً پچاس افراد شہید اور ایک سو پچاس زخمی ہوئے ۔ عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ دھماکے کی زد میں آنے والوں پر قیامت ٹوٹ گئی ، انسانی اعضاء فضا میں اُڑ کر اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے ۔ زخمی تڑپ رہے تھے اور ایک ایک کر کے جان ہار رہے تھے ۔ کسی نے کہا کہ یہ سانحۂ سیالکوٹ کا ردّعمل ہے ۔ جتنے منہ اتنی باتیں ۔ ابھی دو دن ہی گزرے تھے کہ ۹/اکتوبر کو کراچی میں مجلس تحفظِ ختم نبوت کے مرکزی رہنما مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی شہید کر دیئے گئے ۔ اگلے روز اندرون موچی دروازہ لاہور کی ایک عبادت گاہ میں خودکش حملہ میں تین افراد ہلاک ہو گئے ۔ دہشت گردی اور قتل و غارت گری کی ان وارداتوں کا انداز مختلف ہے مگر تسلسل کسی بڑی سازش کی نشاندہی کرتا ہے ۔ ان تمام کارروائیوں کا مقصود یہی معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو ایک ایک کر کے راستے سے ہٹا دیا جائے ، دینی قوتوں کو بہادر اور صحیح قیادت سے محروم کر کے انہیں کمزور کیا جائے ، دینی اداروں اور جماعتوں کو عوام میں بدنام کیا جائے اور ان کی گرفت ڈھیلی کر دی جائے ۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی ، مولانا محمد عبداللہ (اسلام آباد) مولانا محمد اعظم طارق اور ابھی چند ماہ قبل مفتی نظام الدین اور اب مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی کو راستے کی دیوار سمجھ کر ہٹا دیا گیا ۔ یہ تمام لوگ اپنے اپنے دائرہ کار میں مؤثر تھے اور نہایت مثبت کام کر رہے تھے ۔ دہشت گردی کے تازہ شکار مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد خالصتاً تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں میں مشغول تھے ۔ مفتی جمیل تو کراچی میں علماء حق کے صحیح نمائندہ اور حقیقی خادم تھے ، تحفظِ ختم نبوت کے داعی تھے ، وہ سب کا احترام کرتے تھے اور سب کو جوڑنے والے تھے ' انہیں ہم سے چھین کر دشمن نے ملک و ملت کا شدید نقصان کیا ہے ۔ سانحہ ملتان کا ایک ملزم گرفتار ہو چکا ہے ۔ پولیس کہتی ہے یہ اصلی ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر حکومت دہشت گردی کے تمام سانحات کے اصلی مجرم گرفتار کر کے انہیں بے نقاب کرتی اور قرار واقعی سزا دیتی تو ایسے حادثات کا اعادہ نہ ہوتا ۔

مجلس تحفظِ ختم نبوت کے کارکنوں کو اپنے قائدین کی پے در پے شہادتوں سے جو صدمہ پہنچا ہے ' مجلس احرارِ اسلام ان کے غم میں برابر کی شریک ہے ۔ ہمارے حوصلے اور عزائم بلند ہیں ۔ ان شاءاللہ تحفظِ ختم نبوت اور احیاءِ دین کی جدوجہد جاری رہے گی ، شہداء کا خون رائیگاں نہیں جائے گا ، رنگ لائے گا ۔ شہداء کی ارواح ہمیں مصائب و مشکلات کے بعد کامیابیوں کا

سندیسہ دے رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں:

چراغِ زندگی ہو گا فروزاں ، ہم نہیں ہوں گے
چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں ، ہم نہیں ہوں گے
ہمارے بعد ہی خونِ شہیداں رنگ لائے گا
یہی سرخی بنے گی زیبِ عنواں ، ہم نہیں ہوں گے

پرویز بادشاہ، مسئلہ کشمیر اور سرنگ کے آخر میں روشنی

پرویز بادشاہ نے اپنے اعزاز میں ایک افطار ڈنر سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''انہیں پاک بھارت مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر حل ہوتا نظر آرہا ہے۔ بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ سے با مقصد انداز میں ہونے والی گفتگو کے بعد انہیں پہلی بار سرنگ کے آخر میں روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ قوم مسئلہ کشمیر کے حل کے مختلف آپشنز پر کھل کر بحث کرے۔ میں خود اس بحث کو سنوں اور جانوں گا کہ لوگ کس آپشن کو پسند کرتے ہیں۔''

حیرانی ہے کہ اٹھاون سال بعد ہمارے حکمرانوں کو مسئلہ کشمیر حل ہوتا نظر آرہا ہے اور سرنگ کے آخر میں روشنی دکھائی دینا اس پر مستزاد ہے۔ عوام کو اس بحث میں شریک کرنے کا مژدہ بھی عجیب ہے۔ عوام بے چاروں کو تو اپنے معاشی مسائل سے ہی نکلنے کی فرصت نہیں، چہ جائیکہ وہ مسئلہ کشمیر پر غور و فکر کریں۔

عوام نے افغانستان کے مسئلہ پر جو رائے دی، اس کا کتنا احترام کیا گیا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عوام نے اپنے جن نمائندوں کو چن کر اسمبلیوں میں بھیجا، ان نمائندوں نے عوامی رائے اور فیصلے کا کیا حشر کیا؟ اس لیے قوم کو مسئلہ کشمیر پر بحث و رائے زنی کا مشورہ دینا انتہائی سنگین مذاق ہے۔ اٹھاون برس قبل تقسیم ہند کے وقت جس مقتدر طبقہ نے اپنے مفادات کے لیے کشمیر کی گتھی کو الجھایا تھا، وہی اب اپنے مفادات کے لیے اسے سلجھانا چاہی ہے۔ تب بھی انہی کی رائے اور فیصلے کو قوم پر ٹھونسا گیا تھا، اب بھی انہی کے فیصلے کو ٹھونسنے کی سازش ہو رہی ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں کو یہ فیصلہ قبول کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ عوام پہلے بھی مجبور اور بے زبان تھے، اب بھی مجبور و بے نوا ہیں۔

متحدہ اپوزیشن نے درست مؤقف اختیار کیا ہے کہ:

''صدر نے کشمیر پر بھی یوٹرن لے لیا ہے۔ ان کا فارمولا قبول نہیں۔ انہوں نے لاکھوں کشمیریوں، پاکستانی عوام کی خواہشات اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کی نفی کی ہے۔''

آثار و قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ ساز قوتوں نے تقسیم کشمیر کا فارمولا طے کر لیا ہے اور پاکستان و بھارت دونوں کو یہ فارمولا قبول کرنے کے لیے مجبور کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پیارے وطن پاکستان کی حفاظت فرمائے (آمین)

سید یونس الحسنی

علماء کرام اور پاکستانی سیاستدان

یادش بخیر! سردار حاکم علی زرداری کسی زمانے میں نیشنل عوامی پارٹی میں باچا خان مرحوم کے ریزہ چیں ہوا کرتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے عہد اقتدار میں بوجوہ پاکستان پیپلز پارٹی سے رشتہ منا کحت استوار کیا پھر آج تک ان کا کچھ پتہ نہ چلا۔ سردار آصف علی زرداری انہی کے فرزند دلبند، جگر بند اور اب نظر بند ہیں۔ بھٹو کا حق دامادی ادا کرتے ہوئے بعض معلوم اور کچھ نامعلوم مصلحتوں کے تحت انہیں پس دیوارِ زنداں دھکیل دیا گیا جہاں آج کل مریض ملت بن کر پاکستانی ڈاکٹروں کا سٹیمنا آزمارہے ہیں۔ کراچی کے بمبینو سینما سے لے کر براستہ ایوان وزیراعظم جیل تک کا تھکا دینے والا سفر راس آیا اور وہ اچھے خاصے سیاستدان ہوگئے ہیں۔ آئے دن ان کی درفطنیاں پڑھنے سننے کو ملتی رہتی ہیں۔ گزشتہ دنوں ان کا ایک بیان اخبارات کے توسط سے نظر نواز ہوا' ملاحظہ فرمائیے:

> ''وردی کے ایشو پر مولویوں کے ہنگامے پر اعتبار نہیں کیونکہ وہ اپنا اعتبار سترہویں ترمیم کے بعد کھو چکے ہیں۔ کیا معلوم کہ ہم ان کے ساتھ اس تحریک میں آگے بڑھیں اور پیچھے مڑ کر دیکھیں تو وہ موجود ہی نہ ہوں۔ انہوں نے گو مشرف گو کے نعرے ہمارے ساتھ مل کر لگائے اور پھر سترہویں ترمیم میں حکومت کے ساتھ چلے گئے۔''

پیپلز پارٹی پارلیمنٹیریز کے لیڈر محترم امین فہیم اور مسلم لیگ (ن) کے بعض رہنماؤں نے بھی علماء کو بے نقط سنائی ہیں۔ اے آر ڈی میں شامل چند گرگ ہائے باراں دیدہ نے قیمتی مشورہ دیا ہے کہ سیاست کاری علماء کو زیبا نہیں' انہیں تو بس مساجد اور حجروں میں بیٹھ کر ''حق ہو'' کی ضربیں ہی لگاتے رہنا چاہیے کہ ان کے روحانی تصرفات سے امت کی اصلاح باطن کا فریضہ بکمال وتمام ادا ہو سکے۔ یہ بڑی معنی خیز صورت حال ہے کہ ہمارے ارباب اقتدار واختیار بھی ایسی ہی ناصحانہ تجاویز پیش کرتے رہتے ہیں۔ احزاب اقتدار واختلاف کی اس معاملے میں یک رنگی، یکجہتی اور یک رخی پالیسی اس اندرونی مفاہمت کی چغلی کھاتی ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو سکے دینی قوتوں کو کارنزکر دیا جائے:

(۱) نت نئے رنگ روپ بدلتی سوسائٹی پر ان کی گرفت کمزور تر ہو جائے یا مختلف دام ہائے رنگا رنگ بچھا کر انہیں اضمحلال کی آخری حد تک پہنچا دیا جائے۔

(۲) ان پر بہ اصرار عدم اعتماد کر کے معاشرے میں سب سے زیادہ قابل نفرت بنا دیا جائے تا کہ یہ کوئی تہذیبی اور تمدنی کردار ادا کرنے کے قابل نہ رہیں۔

(۳) انہیں انتہا پسند، بنیاد پرست قرار دے کر کچل دیا جائے تا کہ روشن خیالی اور جدت پرستی کی راہ ہموار ہو سکے۔

(۴) ان کے افکار ونظریات کو ازکار رفتہ قرار دے کر ملکی سیاست سے نکال باہر کیا جائے کہ ان میں نام نہاد بڑوں

کی غلط کاریوں پر نقد وجرح کی ہمت نہ رہے۔

(۵) انہیں چاروں جانب سے محاصرے میں لیا جائے کہ وہ ہار مان کر حکمرانوں اور سیاست دانوں کے مہمل تابع بن جائیں۔

یہ انمٹ سچائی ہے کہ سیاست برصغیر میں علماء امت نے مسلمانوں کی ہمیشہ بروقت اور خم ٹھونک کر رہنمائی کی۔ اس سفر وحشت اثر میں وہ بے پناہ خطرات سے بھی دوچار ہوئے مگر انہوں نے جانوں کے نذرانے پیش کر کے حق وصداقت کے علم کی بھرپور پاسداری کی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی انہوں نے حجرہ نشیں ہونے کی بجائے میدان سیاست میں پوری صلاحیتوں سے کام لیا اور تمام ہم عصروں کی نسبت نہایت فہیم وزکی اور بیدار مغز سیاستدانوں کے طور پر سامنے آئے۔ وہ سیاسی شطرنج کے اس کھیل میں کبھی کسی سے کم تر ثابت نہیں ہوئے۔ پارلیمنٹ کے اندر اور باہر مقابل لیڈروں پر بہت بھاری ثابت ہوئے۔ کئی دفعہ وہ دیگر جماعتوں کے اتحادی بن کر کڑی آزمائشوں سے گزرے۔

سیاسی ساتھیوں کی فریب کاری اور منافقت شعاری بارہا ان کے لیے مزاحمت کا سبب بنتی رہی لیکن انہوں نے حروف شکوہ وشکایت پر طبع آزمائی میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا انسب جانا۔ اب پاکستان کی پارلیمانی تاریخ میں یہ لوگ بلند پایہ پارلیمنٹیریز اور منجھے ہوئے سیاستدانوں کے طور پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی معاملہ فہمی اور حاضر دماغی نے روایتی سیاستدانوں کی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا بھانڈا بیچ چوراہے کے پھوڑ دیا ہے۔ وہ روزافزوں احساس کمتری سے بری طرح کانپنے، تڑپنے اور تلملانے لگے ہیں۔ زچ ہو کر وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔ کبھی حرص وآز کا کھیل کھیلتے، کبھی لقندرے پن کا مظاہرہ کرتے، کبھی گاف ہوتے، کبھی گاڑھے وقت میں گشت کرتے، کبھی نموز میں اڑاتے، کبھی قاف ودال کرتے، کبھی الٹے سیدھے قاعدے نکالتے، خود مکمل قائم بالغیر ہوتے اور دوسروں کو قائم بالذات رہنے کی نصیحت کرتے، خود پیکر خرابات مگر اوروں کو مجموعہ الزامات بناتے نہیں تھکتے۔ یہ الٹ پھیر ہے زمانے کا۔ اسے کہتے ہیں اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت۔ یہ حقیقت تو سامنے آچکی ہے کہ علماء دشمنی میں حکومت وسیاست ہر طرح سے ہم زبان اور ہم قدم ہیں۔ چنانچہ ماننا پڑے گا کہ سترہویں ترمیم میں متحدہ مجلس عمل اگر حکومت کی مذاکرات ومشاورت سے معاونت نہ کرتی تو پی پی پی یہ کام کر جاتی۔ ن لیگ شاید مددگار رہوتی اور اے آر ڈی قطعاً معترض نہ ہوتی۔ ان سب کے لیے جان لیوا صدمے کی بات تو یہ ہے کہ بوریا نشیں مولوی شیخ الحدیث والتفسیر ہونے کے ساتھ ساتھ بیک وقت انتہائی زیرک سیاستدان بھی ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اغیار کی ریزہ چینی کرنے والوں کی ریزگی کھانے کی بجائے تنہا یہ معاملہ نمٹا کر آئین پاکستان کی محافظت اور برتری منوانے کا ڈنکا بجایا۔ یہی وجہ ہے سب پنجے جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ شاید انہی کے لیے کسی شاعر نے کہا تھا:

بن پانی اور تیل یہاں ہر دیپک جوت جگائے
جس چھلنی میں چھید ہزاروں وہ بھی اب اترائے

ضیاءالدین لاہوری

ایک نصیحت آموز کہانی

بُرے وقتوں کی بات ہے کہ ایک ملک پر ایک چالاک غیر ملکی قوم نے تاجروں کے بھیس میں نہایت غیر محسوس طور پر قبضہ کیا اور وہاں کے باشندوں کو اپنا غلام بنالیا۔ نئے حکمران ان باشندوں میں ایک قوم سے سخت خائف تھے اور چاہتے تھے کہ اس میں پھوٹ ڈال کر اپنی حکمرانی کو مضبوط کیا جائے۔ ایک وقت آیا کہ انہوں نے اس قوم میں سے چند افراد کو ڈھونڈ نکالا' جو ان کے مقاصد کی برآوری میں مؤثر ثابت ہو سکتے تھے۔ ان میں سے ایک حریص شخص کو ہر قسم کی مراعات دے کر اس سے یہ چاہا کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی ایک الگ جماعت قائم کرے' جو عقیدتاً حکمرانوں کی اطاعت کی پابند ہو۔ اس شخص نے بڑے دعاوی سے کام لیا اور اپنے اردگرد پیروکاروں کا ایک ٹولہ بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ جب اس امیر المنافقین کے دعاوی شریعت کے حدود پھیلا نگنے لگے تو خطرے کو بھانپتے ہوئے علمائے امت نے عامۃ المسلمین کو اس کے جعلی مذہب سے بچنے کی تلقین شروع کردی۔ یہ دشمن مذہب وملت بالآخر ارتداد کی حالت میں آنجہانی ہوا۔ اس کے بعد اس کی معنوی اولاد نے اس کی اطاعتِ فکر کا منصب سنبھال لیا۔ لیکن یہ سلسلہ کب تک چلتا؟ اس ٹولے کے آقاؤں کو ایک روز ملک چھوڑ کر جانا تھا اور آخر کار جانا ہی پڑا۔

آزادی کے بعد آستین کے ان سانپوں میں سے چند افراد نے اپنے پیشوا کو ہم وطنوں سے غداری کے الزام سے بچانے کے لیے دانشوروں اور کالم نگاروں کا سوانگ بھرا اور اپنے آنجہانی امیر کا نام لیے بغیر اپنے پشتینی آقاؤں کے زمانے کے ان مشاہیر کے ''فرمودات'' کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنے کا پروگرام بنایا جو ان کے ٹولے کی مانند غیر ملکی حکمرانوں کی اطاعت کا دم بھرتے رہے تھے۔ یہ نام نہاد دانشور اتنے چالاک تھے کہ خود کو اپنے مخصوص ٹولے کا فرد ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں ہدایت تھی کہ وہ اپنی اصل پہچان پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے اپنے ان خونی بھائیوں اور رشتہ داروں کا بھی کسی سے ذکر نہ کریں' جو ان کے اپنے گروہ میں خاص منصب پر فائز ہوں۔ یہ اپنی تحریروں میں متذکرہ مشاہیر کے ایسے ہی حوالے پیش کرتے تھے' جیسے کہ غیر ملکی حکمرانوں کے حق میں ان کے پیشوا کے ہیں۔ اس طرح یہ بالواسطہ طور پر اپنے آنجہانی امیر کے کردار کو تحفظ بخشنے کی ناپاک کوشش کرتے۔ یہ لوگ غداری کے جواز میں ایک مخصوص مذہبی حلقے کے ''تاریخی'' فتووں کی پوٹلیاں اٹھائے قارئین کو دکھاتے پھرتے ہیں اور فتویٰ کنندگان کے نام بڑے احترام کے ساتھ لے لے کر تعارف ''نہایت جید عالم'' کے طور پر کرواتے لیکن جب انہی کے بیان کردہ ''نہایت جید'' عالموں کے دیئے گئے

''تاریخی''فتوے ان کے آنجہانی امیر کے بارے میں پیش کئے جاتے تو آئیں بائیں شائیں کے ساتھ ان سُنی کر دیتے اور اس پر کوئی بات نہ کرتے۔ پھر یوں چیختے کہ گڑے مُردے کیوں اکھاڑتے ہو، یعنی تاریخی واقعات سے پردہ کیوں ہٹاتے ہو؟ مطلب یہ کہ خود تاریخ کے ساتھ بددیانتی کرتے رہیں' مگر دوسرے ان کے آباؤ اجداد اور ہم نواؤں کے کرتوت آشکارا کرنے سے باز رہیں۔ جو افراد علمی بحث کے ذریعے ان کے پیش کردہ حوالوں کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتے، جواباً ان کی یوں خبر لی جاتی کہ ان پر جذباتی قسم کے طعنوں اور کوسنوں کے پتھروں کی بارش کردی جاتی۔ چونکہ اصل نکات کا جواب دینا ان کے بس میں نہ ہوتا تھا' اس لیے بات کو الجھا کر اسے کچھ کا کچھ بنا ڈالتے۔ انہوں نے بعض قومی اخبارات میں خفیہ طور پر اپنے کارندے تعینات کروار کھے تھے' تا کہ ان کے خیالات فاسدہ کی آسانی کے ساتھ ترویج ہو اور مخالف مضامین کی اشاعت رکوا سکیں۔ ان کارندوں کے ذریعے یا اپنے صحافتی مراسم کو کام میں لا کر وہ اپنے خلاف جوابات کو ضائع کروا دیتے اور پھر بینڈ بجانے لگتے کہ معترضین سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ جب بعض موقعوں پر اس سے بھی کام نہ چلتا' تو وہ بحث میں علمی انداز تہ تیغ کرتے ہوئے نہایت تمسخرانہ انداز میں معترضین کے نام بگاڑتے اور ایسے واہیات اور وحشیانہ انداز میں شور مچانے لگتے کہ بے چارے جواب کنندگان خود کو ایک عجیب کیفیت میں گھرا ہوا محسوس کر کے اپنی ٹانگیں بچانے کی فکر میں پڑ جاتے۔ اس طرح وہ لوگ یہ جواز قائم کرنے کی کوشش کرتے کہ معترض مقابلے سے بھاگ گئے اس لیے ہم حق پر ہیں۔

یہ سلسلہ نسل در نسل اب بھی جاری ہے۔ پچھلے دنوں ان کا تازہ شکار ایک محفل میں اس کیفیت پر تعجب کا اظہار کر رہا تھا کہ ان لوگوں کا علمی بحث کا یہ انداز کیسا ہے اور اس طرح کسی نتیجے پر کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ ایک سیانے نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ ''یہ ان کا آزمودہ طریقۂ واردات ہے۔ مقابل کو بھاگ جانے پر مجبور کرنے کے لیے دوسروں پر کیچڑ اچھالنا ان لوگوں کا قدیمی شیوہ ہے۔ انہیں پتہ ہے کہ دوسرے ان کے غلیظ کردار کے معیار کی گہرائی تک نہیں اتر سکتے' اس لیے جو منہ میں آتا ہے، اسے اُگل دیتے ہیں۔ اخلاقی حدود کو بھی پھلانگ جاتے ہیں۔ بظاہر تو یہ لوگ اکیلے دکھائی دیتے ہیں مگر دراصل انہیں ان کے ٹولے نے گروہی طور پر مقرر کیا ہوتا ہے، اور اسی بل بوتے پر یہ ایسی کارروائیاں کرتے ہیں''اس نے نصیحت کی کہ ''مخصوص گروہ کے ان نام نہاد دانشوروں اور کالم نگاروں سے علمی بحث کے لیے ایسے افراد سے مشورہ کرنا نہایت ضروری ہے جو ان کی نفسیات اور منفی ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف ہوں، وگرنہ یہ مقابل کو تنہا پا کر وحشی جانوروں کا رویہ اپناتے ہوئے اسے واہیات انداز میں بھگا دینے کا فطری طریقۂ کار استعمال کرتے ہیں''۔ سیانے کی اس نصیحت کے ساتھ ہی یہ کہانی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ بس، باقی ہوس۔

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

’’آج میں آزاد ہوں اپنے وطن میں‘‘

ماہنامہ ’’نقیبِ ختم نبوت‘‘ کے بانی مدیر ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ کے پانچویں یومِ وصال (۱۲؍نومبر ۱۹۹۹ء۔نومبر ۲۰۰۴ء) پر اُن کی یادگار تحریر۔(ادارہ)

ننگا سر، بالوں کے ان دیکھے نئے نئے سٹائل، ننگا چہرہ مگر میک اپ سے ڈھکا ہوا، جسمانی ساخت کی چغلیاں کھاتا ہوا چست لباس، ہاتھ میں ہاکی، ریکٹ، بیٹ لیے اخبارات کی مانگ سجانے اور بڑھانے کے لیے فرسٹ پیج یا لاسٹ پیج پر براجمان نئی نویلی لڑکیاں جنہیں شو آف پرسنیلٹی کا شوق کشاں کشاں اخبارات کے دفتر یا ٹی وی کی سکرین پر کھینچ لاتا ہے ......اور انٹرویو والے آؤٹ ویو سے یوں آغاز کرتے ہیں:

س: آپ کا پورا نام......؟

ج: فِضّہ بتول......!

س: کالج میں آپ کا کونسا ایئر چل رہا ہے؟

ج: تھرڈ ائیر......!

س: لگتا ہے آپ تو بس پڑھتی رہتی ہے۔

ج: اوہ! ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں تو سوشل لائف پر یقین رکھتی ہوں اور......

س: لیکن آپ کا تعلیمی کیریئر دیکھنے سے تو کچھ اور محسوس ہوتا ہے؟

ج: ہاں! یہ ٹھیک ہے کہ میں نے مڈل، میٹرک اور انٹر میں بورڈ ٹاپ کیا لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں نا کہ انٹر سکولز اور انٹر بورڈ گیمز میں بھی میری پرفارمنس شروع سے بہت اچھی رہی ہے۔

س: آپ کو ٹائم ڈیوائڈ کرنے میں تو پرابلم ہوتا ہوگا؟

ج: کوئی پرابلم نہیں! اصل میں ہیومن لائف کے بارے میں میری اپروچ بالکل سائنٹیفک ہے۔ یہ نئے دور کا تقاضا ہے، زندگی میں چارم، چیلنج، ایڈونچر، سرپرائز، کمپٹیشن، ایکسپریشن یہ سب کچھ ہونا چاہیے۔ضرور ہونا چاہیے۔

س: مذہب میں آپ کی دلچسپی کس حد تک ہے؟

ج: میرا گھرانہ خالص مذہبی ہے ہمارے فیملی بیک گراؤنڈ میں مذہب کو مرکزی اہمیت حاصل ہے لیکن شکر ہے کہ ہم میں ’’بیک ورڈنس‘‘ نہیں ہے۔میں نے دینی تعلیم بھی حاصل کی ہے، کالج لائف کو بھی انجوائے کیا ہے، گا بھی لیتی ہوں،

ڈانس بھی کر لیتی ہوں، ڈراموں میں پارٹ پلے کئے ہیں، کمپیئرنگ، ڈبیٹ، گیمز......سب میں حصہ لیا ہے اور ٹینس میں تو آپ جانتے ہیں حال ہی میں پنجاب بھر میں سنگل میں پہلی اور ڈبل میں دوسری پوزیشن حاصل کی ہے۔

س: فِضّہ! بات مذہب سے چلی تھی۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کا ماحول کو آپریٹو ہے یا نان کو آپریٹو؟ یعنی کوئی مذہبی پابندی یا اعتراض کی صورت؟

ج: دیکھئے! یہ بہت عجیب سوال ہے۔ بھئی پابندی آخر کیوں؟ مجھے تو گھر والوں نے بخوشی غیر نصابی سرگرمیوں کی اجازت دی بلکہ خصوصی اجازت دی، میرا مطلب ہے خصوصی حوصلہ افزائی کی گئی۔ مذہب کسی کو خول میں بند نہیں کرتا۔ زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھاتا ہے۔ سینس آف میچورٹی اینڈ کانفیڈنس پیدا کرتا ہے۔ مذہب عورت کو پابند اور محدود نہیں کرتا۔ میں خود سمجھتی ہوں کہ اسلام کی جو شکل ہمیں ورثہ میں ملی ہے وہ سرمایہ دارانہ ذہن کی پیداوار ہے۔ اس دور میں، جب کہ دنیا سمٹتی معلوم ہوتی ہے اور پوری دنیا کی قومیں ہر فیلڈ میں ترقی کر رہی ہیں۔ عورت کو ہر میدان میں آگے بڑھنے سے روکا جائے، آخر کیوں؟

س: آپ کی رائے میں عورت کو کس حد تک قومی خدمت میں آگے آکر کام کرنا چاہیے؟

ج: سوسائٹی میں ویلفیئر، ڈویلپمنٹ اور اسٹیبلشمنٹ کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کی آزادی ہر کسی کو ہونی چاہیے، مرد اور عورت کا رشتہ کسی استحصالی منطق کا تابع نہیں ہوتا اور نہ زندگی کی حقیقت کو نام نہاد اخلاقی معیاروں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ مرد اور عورت کو شانہ بشانہ چلنا چاہیے۔ تبھی انڈرسٹینڈنگ اور کوآپریشن پیدا ہوگی۔ یہ نیچرل سی بات ہے۔ اس فنکشن اور پراسس کو ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ عورت تو سب کچھ کر سکتی ہے، گھر چلا سکتی ہے، گورنمنٹ چلا سکتی ہے، بس ایکسپلائٹیشن ختم ہونی چاہیے اور میڈیا کو اس سلسلہ میں سپیشل رول ادا کرنا چاہیے۔ نئی نسل کو بوڑھی، بیمار اور نادار سوچوں سے نجات دلا کر ہی ترقی کی دوڑ میں حصہ لینے کے قابل بنایا جا سکتا ہے اور قائداعظم کے پاکستان کو عظیم تر بنایا جا سکتا ہے چونکہ انہوں نے فرمایا تھا ورک، ورک، اینڈ ورک:۔

تتلی بنوں اُڑتی پھروں مست گگن میں
آج میں آزاد ہوں اپنے وطن میں

قارئین کرام! یہ ایک گھسا پٹا ہوا انداز ہے جو یورپ و امریکہ کے ساتھ سیاسی، اقتصادی اور فوجی معاہدوں کی وساطت سے پاکستانی معاشرے میں بڑی تدریج کے ساتھ بہت آہستگی سے دبے پاؤں رچایا بسایا گیا ہے۔ پہلے غیر ملکی لڑکیوں کے انٹرویوز، فوٹو اور ان کی دلچسپیوں کو پاکستانی اخبارات نے عام کیا۔ نوجوانوں نسل نے دیکھا، پڑھا، پسند کیا، اخبار زیادہ فروخت ہوا پھر پاکستانی سیکولرز اور لبرلز گھروں کی نوجوان نسل اخبارات کے ذریعہ متعارف ہونے لگی پھر کھیلوں کے میدان کی سرکاری سرپرستی نے اس سلسلہ کو عروج پر پہنچا دیا اور ٹیلی ویژن نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور صنفِ نازک کو ''صنفِ قازق'' بنانے کا فیصلہ اور تہیہ کر لیا۔ لڑکیاں مردوں کے شانہ بشانہ نہیں بلکہ ان سے پانچ جوتے آگے جا رہی

ہیں جیسا کہ آپ اوپر کی سطروں میں پڑھ چکے ہیں کہ ٹی وی اور اخبارات میں لڑکیوں کے جتنے بھی انٹرویوز آرہے ہیں ان میں اکثر لڑکیوں کی گفتگو یہ ہوتی ہے کہ ان کا گھرانہ بڑا مذہبی گھرانہ ہے اور اس کے والد کٹر مذہبی ہونے کے باوجود اسے ناچنے گانے، کھیلنے، دوستوں سے ملنے، تفریحی پروگراموں میں جانے سے نہیں روکتے بلکہ وہ روشن خیال، اعتدال پسند اور کوآپریٹو ہیں۔ پھر انٹرویو لینے والے مرد یا عورتیں ساتھ ساتھ تہذیبی تائیدیں کرتے ہیں۔ ہاں، ہاں! اسلام معاشرے میں قوت برداشت پیدا کرتا ہے اور ناجائز پابندیاں بھی نہیں لگاتا۔ اسلام قوموں کی ترقی میں اپنا ایک خاص رول ادا کرتا ہے اور وطن کی محبت عین ایمان ہے۔

یہ انٹرویو لینے والے اور والیاں کس قدر ٹھنڈے زہریلے لب و لہجہ سے ایک ہی سانس میں اسلام اور ماڈرن سولائزیشن کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ جو ناظرین و قارئین خوبصورت لڑکیوں کے فوٹو اخبارات و سکرین پر دیکھ رہے ہوتے ہیں، وہ تو ننگے سر، ننگے چہرے، اُچھلتے ہوئے کندھوں اور مٹکتے ہوئے کولہوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ ان ناداروں اور مفلسوں کو کیا معلوم کہ پالیسی میکرز نے کیا زہر گھول دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں! ایسے انٹرویوز اور گفتگوئیں یہ زہر گھولتی ہیں کہ:

(۱)...... مذہبی گھرانوں کی لڑکیاں اپنے مذہبی گھریلو ماحول سے بغاوت کر رہی ہیں پھر یہ پرنٹڈ میٹر غیر ملکی ایجنسیوں کو بڑے اہتمام سے پہنچایا جاتا ہے جو اپنے سازشی وڈیروں کو یہ تمام ''مواد'' بھیجتے ہیں۔ پھر وہاں تجزیہ ہوتا ہے کہ یورپ و امریکہ کے یہودیوں کا پہلا حربہ کامیاب ہے۔ اب دوسرا حربہ آزمایا جا سکتا ہے۔ پھر وہ امپورٹ ہوتا ہے اور عمل میں آتا ہے جسے پھر اسلام کے غدار پاکستانی انگریز ذرائع ابلاغ سے عوام میں مرغوب بنانے کی مہم میں جُت جاتے ہیں۔

(۲)...... اسلام، عورت کو ناچنے گانے، گیمز وغیرہ قسم کی مشغولیتوں سے ہرگز نہیں روکتا کیونکہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے ذرائع ابلاغ اس کی ''اجازت'' اور ''سند'' عطا فرماتے ہیں۔

(۳)...... اسلام، عورت کو ننگا ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ چاہے آدھی ننگی ہو یا تین بٹا چار۔

(۴)...... لڑکیوں کی تعلیمی قابلیت کو پروپیگیٹ کر کے یہ تاثر عام کیا جاتا ہے کہ یہ تمام برائیاں اب خوبیاں ہیں اور تعلیم میں کمال حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ خوبیاں بھی پیدا کرنی چاہئیں کہ اس سے قومی معیار بلند ہوتا ہے۔

(۵)...... صرف تعلیم میں بلندی حاصل کرنے سے وطن کا نام روشن نہیں ہوتا۔ جب تک ناچنے گانے اور کھیلوں میں بلند مقام حاصل نہ کیا جائے کہ دورِ جدید کا تقاضا یہی ہے۔

(۶)...... لڑکیوں کو قومی سطح پر بلند و بالا ہونے کے لیے ننگا ہونا ضروری ہے۔

(۷)...... اس بلندی تک پہنچنے کے لیے مخلوط تعلیم، مخلوط معاشرہ اور مخلوط مجلسوں میں پرفارمنس شو کرنا انتہائی ناگزیر ہے۔

(۸)...... اس ساری خلط ملط لائف میں کنواری لڑکی پر انحصار، اعتماد اور اس کے اختیارات کو قبول کرنا بہت ضروری ہے۔

(۹)...... اور یہ سب کچھ اور وہ جو ضبطِ تحریر میں نہیں آسکتا۔ وہ تمام اس لیے کیا جانا ضروری ہے کہ قائداعظم نے یہ فرمایا ہے

:ورک، ورک اینڈ ورک۔

کیا اربابِ حکومت، ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات کے بزرجمہر اور جغادری اور ان بدبخت لڑکیوں کے بےحس والدین نے کبھی یہ سوچا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے' اس کے نتائج کیا برآمد ہو رہے ہیں؟ اور یہ لڑکیاں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں' انہوں نے کبھی اس اچھلتی کودتی اور غیروں کی بانہوں میں جھولتی زندگی کے بارے میں غور کیا؟ کیا انہوں نے اپنا مستقبل سوچا؟ کیا وہ سمجھتی ہیں کہ یہ لچھن سدا اُن کے ساتھ رہیں گے؟ انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا کی کہ ان کی اس پسندیدہ زندگی کے پس منظر میں یہودی وسبائی تہذیب کاروں کی جنسی لذتیت کارفرما ہے؟ حکمرانوں اور سیاست دانوں نے کبھی خلوت کدۂ جاں میں جھانک کر دیکھا کہ وہ جس تہذیب کو امپورٹ کر رہے ہیں' اس کے نتائج کیا ہیں؟ کیا پاکستانی عوام ایک قوم کی صورت میں ابھریں گے؟ کیا ان میں قومی صفات پیدا ہوں گی؟ کیا ہم پاکستانی قوم کہلائیں گے یا امریکہ ویورپ کے بدمعاشوں کا ناقص چربہ...... ملاوٹ شدہ نقل؟

سب سے بڑی بات یہ کہ ہم جس رسول ﷺ کا سکھایا ہوا کلمہ پڑھتے ہیں، جن کی ذات کو شفاعتِ کبریٰ کا ذریعہ سمجھتے ہیں، جن کی ذات وصفات کو ایمان کی جان سمجھتے ہیں' انہوں نے عورت کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

مولویت' جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی پیدا کی ہوئی مذہبی پیشوائیت یقیناً ناقابل قبول مگر کیا فرمانِ رسول ﷺ بھی ناقابل قبول؟ مذہبی ماحول، دینی تعلیم اور اسلام کے حوالے سے جو کچھ پھیلایا جا رہا ہے' اس کی سند بھی تو ہو! کبھی اقوالِ رسول ﷺ سے اس کو ثابت تو کرو!

رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ: وَ اَنْتَلِدَ الْاُمَۃَ رَبَّتَھَا کہ ''لونڈیاں مالکہ جنیں گی''، یعنی لڑکیاں ماؤں کا حکم ماننے کی بجائے ان پر حکم چلائیں گی۔ یہ سب کچھ جہالت، دین بیزاری اور یہودیوں کی معاشرتی اتباع کے نتیجے میں ہوگا۔ ماڈرن فیملیوں کے سربراہ غیرت کی بنیاد پر سوچیں، غور وفکر کریں اور اپنے ماحول کا جائزہ لیں اور دیکھیں کیا یہ حقیقت ان کے گھروں میں چھا چکی ہے کہ نہیں۔ نوجوان اولاد ماں باپ کی جدید جنسی زندگی، دینی پابندیوں سے آزاد حیوانوں جیسی تہذیب کے نتیجے میں کیسی بے لگام، خودسر اور نافرمان ہو چکی ہے۔ لڑکی اپنی ماڈرن ماں کو بھی دقیانوس اور ریجڈ کہتی ہے اور لڑکا باپ کو مذہبی جنونی کہتا ہے۔ حالانکہ تمام جدید گھرانے دین و مذہب سے اتنے ہی دور ہیں' جتنی ان کی جدید زندگی انہیں دور لے گئی ہے۔ جدید گھرانے دین کو اجتماعی اور قومی مسئلہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کو فرد کا اختیاری مسئلہ سمجھتے ہیں۔ اس بے دینی کے باوجود نئی نسل ماں باپ کو مذہبی پاگل کہتی ہے۔ جو ماں باپ نئی نسل کو جنسی انارکی کے تمام حربے استعمال کرنے کی اجازت دیں' وہ والدین روشن خیال اور کوآپریٹو کہلاتے ہیں مگر اسلام ایسے والدین کو بے غیرت کہتا ہے اور ایسے ماحول کو بھی بے غیرت کہتا ہے...... کیا ابلاغیات کے اربابِ اختیار پورے معاشرے کو بے غیرت بنانا چاہتے ہیں؟

(جولائی ۱۹۸۹ء)

حافظ عبدالرشید ارشد
مدیر: ماہنامہ ''الرشید'' لاہور

تاریخ کا سچ

ملک کے امن امان کی جو صورت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہر روز چوریاں' ڈکیتیاں، عورتوں اور معصوم بچیوں کا اغوا، گینگ ریپ، قتل و عارت گری، بم دھماکے اور بنکوں کو لوٹنے کا روزانہ معمول بن چکا ہے۔

نوابزادہ لیاقت علی خاں شہید کے قتل (اکتوبر ۱۹۵۱ء) کے بعد مجلس احرار اسلام نے اوکاڑہ میں ''دفاعِ پاکستان کانفرنس'' منعقد کی۔ میں اس میں حاضر ہوا تھا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

نا دیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل
بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے

فرمایا: ''میں جج ہوتا اور فیصلہ میں نے کرنا ہوتا تو میں بتاتا کہ کس نے اور کیوں قتل کیا ہے؟ ایس پی راولپنڈی کے ہوتے ہوئے سید اکبر جیسا مشکوک شخص سٹیج کے اتنے قریب کیوں بیٹھا کہ وہاں سے گولی لیاقت علی خاں کے لگے' گولی کسی اور جگہ سے آئی اور سید اکبر کو پکڑ لیا گیا۔ اگر نجف خاں کو پکڑ کر پولیس کے بڑے افسر اس کی گردن مروڑتے تو وہ سب کچھ اُگل دیتا۔'' پھر منافقین سے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

لا تعلمھم اللّٰہ یعلمھم (اے نبی ﷺ آپ ان کو نہیں جانتے' اللہ ان کو جانتے ہیں۔)

فرمایا: ''دو تین وزراء راولپنڈی میں موجود تھے' وہ جلسے میں کیوں نہیں آئے؟ یہ سازش تھی۔ وزیر اعظم کی تقریر میں انہیں سٹیج پر ہونا چاہیے تھا۔ وہ اس لیے نہیں آئے کہ گولی کی آنکھ نہیں ہوتی' وہ کسی کے بھی لگ سکتی تھی۔ پھر لیاقت علی خاں کی شہادت کی فائل ایک ڈی آئی جی ہوائی جہاز پر لے جا رہا تھا' اس کو روات کے قریب گرا دیا گیا۔ امیر شریعتؒ نے فرمایا کہ جج کی کرسی پر اگر میں بیٹھا ہوں تو سب کچھ افشا کر دوں۔ امیر شریعت نے افغانوں کا انداز بنا کر، داڑھی منہ میں رکھ کر اور کلہاڑی کندھے پر رکھ کر کہا کہ افغانستان کے عوام پاکستان کے خلاف یوں بیٹھے ہوئے ہیں کہ پاکستان کا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی کیوں ہے؟''

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے سامنے یہ بحث ہوئی کہ آیا لیاقت علی کا قتل شہادت ہے؟ تو حضرتؒ نے فرمایا: ''میں کہتا ہوں از روئے شریعت یہ شہادت ہے۔'' آج حضرتؒ سے عناد رکھنے والے طرح طرح کی ان کے متعلق باتیں کرتے ہیں کہ انہوں نے پاکستان کی مخالفت (اختلاف) کی تھی۔ ائیر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھے والوں کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت مدنیؒ نے فرمایا تھا ''مسجد بننے سے پہلے اختلاف ہوتا ہے

۔بننے کے بعد اس کی آبادی کی فکر کرنی چاہیے۔''

مولانا ابوالکلام آزادؒ (جولائی ۱۹۵۱ء) مشرق وسطیٰ کے دورے پر آئے تو چند گھنٹے کراچی رکے، فوراً کار لے کر قائداعظم کے مزار پر گئے اور فاتحہ پڑھی، فرمایا:

''ہندوستان کے تقسیم ہونے، نہ ہونے پر اجتہادی اختلاف تھا وہ ختم ہوگیا۔''

یہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی عظمت ہے کہ جن کے متعلق قائداعظم نے ایک دفعہ نازیبا الفاظ (Show Boy) کہے تھے، لیکن وہ پھر بھی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے گئے۔

دنیا میں ''ادلے کا بدلہ'' مل کر رہتا ہے۔قائداعظم نے ایک دفعہ خضر حیات خاں کو اپنے سیکرٹری سے فون کروایا تو خضر حیات خاں نے جواب دیا کہ ''میں بات نہیں کرنا چاہتا'' اس پر موصوف نے کہا کہ ''کوئی بھی آدمی اتنی ہلکی حرکت نہیں کرسکتا کہ کہے میں بات نہیں کروں گا''۔''جیسے کو تیسا'' فوراً ہی جواب مل گیا۔

''نوائے وقت'' ۴؍اگست ۲۰۰۴ء کو غالباً پونم کے کسی شخص کا بیان آیا ہے کہ ہم قائداعظم کو قائداعظم نہیں سمجھتے، وہ محمد علی جناح ہیں۔ایسی باتیں پڑھ کر، سن کر دکھ ہوتا ہے لیکن کیا کیجیے کوئی کسی کی زبان نہیں پکڑسکتا۔ویسے دیکھئے کہ پاکستان میں دو تین سال میں تین وزیراعظم بنے ہیں۔صدر مشرف سمیت شوکت عزیز پر قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے۔ہر شعبۂ زندگی کے اہم افراد قتل ہورہے ہیں۔کیا اس کے سدِّ باب کے لیے کوئی طریقہ نہیں؟

(مطبوعہ: الرشید۔لاہور، اگست ۲۰۰۴ء)

ماھانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

☆ دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان ☆ 25؍نومبر 2004ء بروز جمعرات، بعد نماز مغرب

ابن امیر شریعت حضرت پیرجی

سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

الداعی: سید محمد کفیل بخاری ناظم جامعہ معمورہ، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان فون: 061-511961

درس قرآن

محمد احمد حافظ

اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ص وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ o فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ تْکُمُ الْبَیِّنَاتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۔(سورۃ البقرہ۔آیت ۲۰۸،۲۰۹)

''مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تمہارا صریح دشمن ہے پھر اگر تم احکام روشن پہنچ جانے کے بعد لڑکھڑا جاؤ تو جان رکھو کہ خدا غالب (اور) حکمت والا ہے۔''

سبب نزول

یہودی مذہب میں ہفتے کے دن کو مقدس سمجھا جاتا ہے، اونٹ کا گوشت کھانا یہودی مذہب میں حرام ہے، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل یہود کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے، مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خیال کیا کہ اسلام ہفتے کے دن کی بے احترامی کرنے اور اونٹ کا گوشت کھانا ترک کر دینے کو منع نہیں کرتا۔ اگر ہفتے کے دن کی تعظیم کر لی جایا کرے اور اونٹ کا گوشت اعتقاداً حلال سمجھتے ہوئے عملاً کھانا ترک کر دیا جائے تو کوئی حرج والی بات نہیں ہوگی۔ مذکورہ بالا آیات اسی خیال کی تردید کے لئے نازل ہوئی ہیں۔

اسلام کیا ہے؟

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً لغت میں سلم کے معنی اطاعت کرنے، اپنے آپ کو جھکا دینے اور تسلیم کر لینے کا نام ہے، اصطلاحِ شریعت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو من وعن تسلیم کر لینا اور بہ رضا و رغبت اس پر عمل کرنا، اسے اپنی زندگی کا حصہ بنا لینا، اس کا نام اسلام ہے، یہاں سلم کا لفظ تمام مفسرین ومحدثین کے نزدیک اسلام کے معنی میں آیا ہے، کافۃ تمامیت کے معنی میں آتا ہے۔

اسلام دین کامل ہے

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً کا معنی ہے ''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''............اس لئے کہ اسلام وہ دستور حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات کو حاوی ہے، وہ چاہے انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، کارگاہِ سیاست کا معاملہ ہو یا امور عدالت کا، گھریلو سطح کے مسائل ہوں یا ملکی اور عالمی سطح کے، ہر مسلمان ان تمام امور کا فیصلہ دینِ اسلام کے مطابق کرنے کا پابند ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک شخص کہے کہ اسلام بڑا اچھا دین ہے مگر حدود وقصاص کے قوانین، خواتین کے لئے برقع وحجاب کی پابندی، چور کے ہاتھ کاٹنا، شرابی کو کوڑے لگانا یا جہاد کی بات کرنا آج کی مہذب دنیا میں یہ

باتیں قابل قبول نہیں اس لئے انہیں ترک کردینے میں کوئی حرج نہیں، ایسی فکر دین اسلام سے ناواقف ہونے اور فکری ارتداد کی علامت ہے، جوشخص ان حدود کا انکار کرتا ہے وہ پکا کافر ہے، انہی لوگوں کے لئے قرآن حکیم میں یوں ارشاد ہوا ہے:

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلاً O اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۔ (سورۃ النساء، آیت ۱۵۰،۱۵۱)

(یہ لوگ) کہتے ہیں کہ (قرآن کے) بعض حصوں کو تو ہم مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس (قرآن) میں بیچ کی راہ نکالیں، یہی لوگ ہیں جو پکے کافر ہیں۔

سورۂ بقرہ میں ان لوگوں کو سوالیہ انداز میں مخاطب کر کے کہا گیا ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۸۵)

(یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب (خدا) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کئے دیتے ہو تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں۔

غور فرمایئے! پہلے جو آیت ذکر کی گئی اس میں ادھورا اسلام ماننے والوں کو کتاب اللہ نے ''پکا کافر'' کہا ہے، دوسری آیت میں ایسے لوگوں کے لئے دو سزاؤں کا ذکر ہے، ایک تو یہ کہ دنیا میں ذلت ورسوائی دوسری یہ کہ آخرت میں شدید ترین عذاب کی سزا۔

اس دین کی غیرت کو یہ بات بھی برداشت نہیں کہ دوسرے مذاہب کی ''اچھی باتوں'' کو بھی قبول کیا جائے چناں چہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں، اگر حضور کی رائے ہو تو ہم ان میں سے بعض اچھی باتیں لکھ لیا کریں؟ جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم بھی اسی طرح حد سے بڑھو گے جس طرح یہود ونصاریٰ حد سے بڑھ گئے؟ میں تو تمہارے لئے صاف، روشن شریعت لایا ہوں، اگر موسیٰ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو ان کو بھی سوائے میری اتباع کے اور کچھ نہ بن پڑتا۔ (مظہری)

سنن ابی داؤد میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان مروی ہے کہ ہم لوگ اسلام سے قبل ملاقات کے وقت **انعم الله بک عیناً** (اللہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرے) اور **انعم صباحاً** (تمہاری صبح خوش گوار ہو) کہا کرتے

تھے، جب ہم جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئے تو اس کی ممانعت کر دی گئی، اس کی بجائے ہمیں ''السلام علیکم'' کی تعلیم دی گئی۔ (بحوالہ معارف الحدیث) اب بظاہر دیکھنے میں یہ الفاظ کتنے بھلے لگتے ہیں لیکن اسلام آیا تو اس نے اپنے ماننے والوں کی معاشرت یکسر تبدیل کر کے الٰہی احکام کے تابع کر دی اور معمولی سے معمولی بات جس سے کفر کی آمیزش معلوم ہوتی ہو اس کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے **یا ایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ** کے تحت تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے ''اسلام کے آٹھ حصے ہیں، (۱) نماز (۲) زکوٰۃ (۳) روزہ (۴) حج (۵) عمرہ (۶) جہاد (۷) امر بالمعروف (۸) نہی عن المنکر اور تحقیق وہ شخص نامراد ہوا جس کا اسلام میں کوئی حصہ بھی نہ ہو۔'' (قرطبی)

ان آیات واحادیث اور آثار واقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام وہ دین کامل ہے جس میں ایک مسلمان کے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک ہر طرح کے اعمال وافعال کے لئے دینی احکام طے کر دیئے گئے ہیں، اسی طرح کفار و مشرکین کی تمام تر اخلاقیات کو مکمل رد کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو یہ بات گوارا نہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلائے اور یہود ونصاریٰ کے طور طریقوں کو چاہے وہ اچھے ہوں یا برے پسند کرے اور انہیں اپنی زندگی کا حصہ بنائے۔

شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو

وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ. دین اسلام کے سوا ہر راستہ شیطانی ہے، ہر وہ معاملہ جو قرآنی احکام، اسوۂ رسول ﷺ اور طریقۂ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہٹ کر ہو، شریعت اسلامیہ میں جس بات کا ثبوت نہ ہو وہ شیطانی نقشِ قدم ہے، چناں چہ غیر اللہ کو پکارنا، غیر اللہ کے نام پر قربانی دینا، مرنے والے کا تیجا، ساتواں، چہلم اور برسی منانا۔ دین اسلام کے بتائے ہوئے نظام حیات کو چھوڑ کر کفار کے نظام کو تسلیم کرنا، کافرانہ افکار ونظریات کو قبول کرنا، سود کھانا، سٹہ اور جوئے کا کاروبار کرنا سب خطوات الشیطان ہیں۔

شدید ترین وعید

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ ۔ قرآن مجید کی واضح آیات اور دلائل وبراہین آ چکنے کے بعد، اور جب قرآن نے ہر چیز کو خوب کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، اس کے بعد بھی ایمان واسلام کے دعوے دار دین سے پھسلنے لگیں اور کافرانہ تہذیب ومعاشرت اور کافروں کی اخلاقی اقدار وروایات اور قوانین کو تسلیم کرنے لگیں، کفریہ افکار و نظریات کو قبول کریں اور ان کی اشاعت میں حصہ لیں تو ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے شدید ترین وعید سنائی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ زبردست پکڑنے والے اور باحکمت ہیں''۔ یعنی ان کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا اور یہ ڈھیلی ڈھالی پکڑ نہیں ہوتی بلکہ

سخت ترین پکڑ ہوتی ہے اور بڑی حکمت کے ساتھ ہوتی ہے، اس کے بعد انسان کے پاس کوئی جائے پناہ ہوتی ہے نہ جائے فرار اور نہ کسی قسم کا سہارا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام پر ڈٹ جانے اور عَـضُّوا عَلَيۡهَا بِالنَّوَاجِذ کے مثل شریعت اسلامیہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

الہدیٰ

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ:

☆ اسلام دین کامل ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ مسلمان اس پر اس طرح عمل کریں کہ ان کے ہاتھ پاؤں، ناک کان، دل اور دماغ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار ہو جائیں۔

☆ دین اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ اس کے بعض احکام کو قبول کیا جائے اور بعض کو اعتقاداً رد کر دیا جائے یا عملاً ترک کر دیا جائے، پہلی صورت کفر ہے اور دوسری صریح منافقت۔

☆ کفار کے ان اعمال و افعال کو جو بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں کو قبول کرنا بھی دینی غیرت کے خلاف ہے، اس لئے کہ جو حق ہے وہ دین اسلام میں موجود ہے اور جو دین اسلام میں موجود نہیں چاہے وہ کتنا ہی اعلیٰ ہو باطل ہے۔

☆ دین اسلام میں انسانی زندگی کا جو طریقہ بتا دیا گیا اس سے ہٹ کر باقی سب شیطانی نقش قدم ہے جن سے بچنا ایمان کا تقاضا ہے۔

☆ جو شخص ایمانی راہوں کو چھوڑ کر شیطانی راستوں پر چلتا ہے دنیا میں اس کے لئے ذلت و رسوائی، آخرت میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور سخت ترین عذاب ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے شر سے محفوظ فرمائیں اور اپنی رحمت کے دامن میں لے لیں۔ (آمین)

درس حدیث

یحییٰ نعمانی

اعمالِ صالحہ میں مجاہدہ

(۱) ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رب سے یوں نقل کرتے تھے کہ وہ فرماتا ہے جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ اکیلے میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اکیلے میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا تذکرہ کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اس کو یاد کرتا ہوں۔ جب وہ میرے ایک بالشت قریب آتا ہے تو میں خود اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور وہ اگر میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں، وہ میری طرف چلتا ہوا آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں۔'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد واعلان کا مطلب یہ ہے کہ ذکر وعبادت اور اعمال صالحہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بندے سے خاص قسم کی محبت فرماتے ہیں اور اس کو قرب ومعیت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ ایسے بندوں کی اللہ کی طرف سے غیبی طریقوں سے مدد اور حفاظت کی جاتی ہے۔ جس میں سب سے اہم بات ان کے دل اور نفس کی حفاظت ہے۔ وہ فتنوں اور گمراہیوں سے محفوظ رہتے ہیں اور خاص قسم کی ایمانی بصیرت اور نورانی ہدایت سے ان کو سرفراز فرمایا جاتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تائید ونصرت کا معاملہ فرماتا ہے۔

پھر اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کا بھی تذکرہ ہے کہ بندہ جب اللہ کی محبت، اس کی رضا جوئی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے جو کوشش بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی بڑی قدر افزائی فرماتا ہے۔ کم عمل پر زیادہ مقامات ومراتب خسروانہ سے نوازا جاتا ہے اور اپنے قرب کی عزت دی جاتی ہے اور اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ بندہ اگر اللہ کی طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے اور اگر بندہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا دوگنا یعنی دو ہاتھ بڑھتا ہے اور اگر بندہ چلتے ہوئے اللہ کی طرف جاتا ہے تو وہ دوڑتے ہوئے اس کی طرف آتا ہے۔ ظاہر ہے ان ساری تعبیرات کا مدعا قرب وعزت افزائی اور اس بات کا اعلان ہے کہ بندے کے تھوڑے عمل کی بہت قدر کی جاتی ہے۔ لہٰذا بندے کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ جس قدر اعمال صالحہ کا اہتمام کرسکے اور ان میں مجاہدہ کرسکے' کرتا جائے۔

اس حدیث میں خاص طور پر یہ بات قابل غور ہے کہ اس میں اعمالِ صالحہ کے ثواب اور ان پر ملنے والے

انعامات کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ کی محبت، معیت اور اس کے قرب کے مقامات کا تذکرہ ہے۔ اور واقعہ ہے کہ یہ عام ثواب اور دیگر انعامات سے کہیں بڑی چیز ہے۔ اسی لیے اہل جنت کو جنت کی ساری نعمتوں اور اعزازات سے سرفراز کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا۔ کچھ اور دوں؟ تو وہ کہہ اٹھیں گے اب نعمت وعزت میں سے بچا ہی کیا؟ سب تو آپ نے دے دیا کہ اچانک رخ انور سے حجاب اٹھایا جائے گا اور دیدار وملاقات سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ آپ ﷺ اس واقعہ کی خبر دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ اہل جنت کے لیے اس نعمت واکرام سے بڑھ کر کوئی چیز نہ ہوگی۔

(۲) ''حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں رات کی نماز (تہجد) کے لیے آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ شروع کی۔ میں نے سوچا سو آیتوں پر رکوع کریں گے' مگر آپ ﷺ پڑھتے گئے۔ میں نے کہا اچھا سورت ختم کر کے رکوع کریں گے مگر آپ ﷺ نے آل عمران شروع کر دی' وہ بھی پوری ہوگئی پھر سورۂ نساء شروع فرمائی وہ بھی ختم کی۔ روانی کے ساتھ اس طرح تلاوت کرتے تھے کہ جس آیت میں تسبیح کا حکم ہوتا' آپ تسبیح فرماتے، کوئی دعا کا موقع آتا رک کر دعا فرماتے۔ اللہ کے عذاب کا تذکرہ آتا تو اللہ سے پناہ مانگتے۔ پھر آپ ﷺ نے رکوع فرمایا اور اس میں ''سبحان ربی العظیم'' کئی بار کہا اور رکوع بھی قیام کی طرح طویل کیا۔ پھر ''سمع اللہ لمن حمدہٗ'' کہہ کر آپ کھڑے ہو گئے اور یہ ''قومہ'' بھی رکوع کے برابر کیا۔ پھر سجدہ فرمایا اور اس میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہا اور سجدہ بھی قیام کی طرح طویل کیا' اس طرح پوری نماز مکمل کی۔'' (صحیح مسلم)

آپ ﷺ رات کی نماز (تہجد) کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خاص طور پر اس نماز کے مشاہدے کا بہت موقع ملتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے کسی شاگرد سے انہوں نے کہا تھا کہ ''نہ پوچھیے کتنی حسین اور لمبی نماز ہوتی تھی۔'' اوپر دی گئی روایت بھی بتلا دی ہے کہ آپ رات کی نماز میں کس قدر مجاہدہ کرتے تھے۔

(۳) ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ تہجد کی نمازیں اس قدر طویل پڑھتے تھے کہ آپ کے پاؤں کی جلد پھٹ پھٹ جاتی، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ ﷺ کی اگلی پچھلی ساری غلطیاں معاف کی جا چکی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں ایک شکر گزار بندہ اور غلام نہ بننا چاہوں۔'' (صحیح بخاری)

انبیاء علیہم السلام کا مقام اس سے کہیں بلند ہوتا ہے کہ ان سے کسی بھی قسم کے گناہوں کا ارتکاب ہو کہ وہ معصوم عن الخطاء ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو جو مزاج وفطرت بخشی ہوتی ہے اور ان کے دل میں اللہ کا جو خوف اور اس سے جو محبت ہوتی ہے' اس کی وجہ سے ان سے اللہ کی نافرمانی کا بھی امکان نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ وہ مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ

کی معرفت رکھتے ہیں اوراس کی بلند مرتبی کا سب سے زیادہ مشاہدہ کرتے ہیں۔اپنے ظاہری وجود کے ساتھ اس مادی دنیا میں ہوتے ہوئے بھی ہمہ وقت ان کا ایک خاص رابطہ اللہ تعالیٰ اور ملأ اعلیٰ سے رہتا ہے۔اس عالم کے حقائق ان پر منکشف ہوتے رہتے ہیں۔اس وجہ سے اپنے سارے مجاہدوں،قربانیوں اور عبادت کے باوجود ان پر یہ احساس غالب رہتا ہے کہ بندگی کا حق ادا نہیں ہوا۔وہ جانتے ہیں کہ ان کا مقام کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اوران کا دامن گناہ وعصیان کے گردوغبار سے کتنا ہی پاک کیوں نہ ہو تاہم اس ذوالجلال والاکرام کے سامنے ان کی حیثیت ایک عبد،ایک بندہ ،ایک عاجز مخلوق اور ایک محتاج وسائل کی ہی ہے اور مقام عبودیت کا کمال یہی ہے کہ بندہ ہمہ وقت اپنی کوتاہی پر پشیمان اور اپنی تقصیرات کا اقراری رہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے رسول ﷺ کے مقام ومرتبہ کو جاننے والا اور کوئی نہیں ہے۔اس نے جہاں ایک طرف ان کے رفع درجات کا اعلان کیا ہے اوراس حد تک ان سے یگانگی و یکجائی کا اظہار کیا ہے کہ رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت،رسول ﷺ کی مرضی کو اپنی مرضی اور رسول ﷺ سے دوری کو اللہ سے دوری قرار دیا ہے اور اپنی کتاب میں بلا مبالغہ پچاسوں جگہ اپنے اسم گرامی کے ساتھ ورسولہ یا والرسول کا نام ذکر کیا ہے۔لیکن اس کے باوجود وہ اتنا بڑا آقا اور مالک ہے کہ رسول کا محاسبہ بھی کرتا ہے۔ان کو اپنی خطاؤں کی معافی مانگنے کا حکم بھی دیتا ہے مگر ساتھ ہی رضا ومحبت بھرے انداز میں اگلی پچھلی ساری خطاؤں کی معافی کا اعلان بھی فرماتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مغفرت ومعافی کے اعلان کو کہ ’’اللہ نے آپ ﷺ کی ساری اگلی پچھلی خطائیں معاف کردیں‘‘ معاذ اللہ آپ کے گناہوں کا ثبوت نہیں بلکہ اعزاز واکرام کا اعلان سمجھتے تھے۔اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (اس حدیث کے مطابق) آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کے لیے اللہ نے اعلان رضا ومغفرت فرمایا ہے۔آپ کو کس بات کا خوف کہ اس درجہ مجاہدہ فرماتے تھے کہ نمازوں میں پاؤں پر ورم آجائے اور جلد پھٹ جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے جو مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے اور اِجتِباء و اِصطِفاء کا جو معاملہ مجھ سے فرمایا ہے کیا میں اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

سچ ہے کہ اللہ کے قرب کے راستے (سلوک الی اللہ) کے مسافر کو نہ کبھی سیری ہوتی ہے اور نہ کبھی تھکاوٹ واکتاہٹ کا احساس بلکہ جتنا راستہ طے ہوا جاتا ہے منزل کا شوق اور بڑھتا جاتا ہے اور مسافر اپنی رفتار اور بڑھاتا جاتا ہے۔

افادات: جانشین امیر شریعت سید ابوذر بخاریؒ مرتب: سید محمد کفیل بخاری

عیدالفطر......صدقۃ الفطر
(فضائل، احکام، مسائل)

تمہید: عیدالفطر بھی دیگر امتیازات دینیہ کی طرح ایک عظیم اسلامی شعار، ایک دور رس اخلاقی نصاب، ایک مسنون تفریح اور قومی مسرت اور خوشی کا مبارک دن ہے' جسے دنیا والوں کے معمولات کے بالعکس اللہ نے بجائے ایک تہوار کے عبادت کی اہمیت برقرار رکھتے ہوئے اس میں بہ قدر ضرورت تفریح کی آمیزش کر کے اسلام کی قوت وعظمت کو دوام بخش دیا ہے۔

ہر مرغوب ومحبوب شے کے حصول اور عزیز مقصد کے انجام پانے پر جب فطرۃً خوشی نصیب ہو تو دستور ہے کہ اس کے اظہار کی کوئی نہ کوئی صورت اور تدبیر ضرور اختیار کی جاتی ہے۔ اسلام نے بھی دین فطرت ہونے کی وجہ سے اس معصوم انسانی جذبہ کی پوری قدر کی اور دین فطرت کی قائل امت مرحومہ کی دلداری وعزت افزائی فرمائی۔ چنانچہ رمضان المبارک کے پاکیزہ مہینے میں مختلف قسم کی شبانہ روز عبادت وریاضت خوش اسلوبی سے مکمل کرنے پر یکم شوال کے دن چند خاص اعمال پر مشتمل ایک مظاہرہ مسرت وتفریح قانوناً مقرر کر دیا ہے۔

تحفہ عبودیت: اپنی عزت وجاہت کے لیے نہیں بلکہ حصول اجر وثواب کی نیت کے ساتھ سچے دل سے دیئے ہوئے عطیہ کو صدقہ کہتے ہیں۔ اور ''فطر'' کا معنی ہے ٹوٹنا، کھلنا، جدا ہونا، تو صدقۃ الفطر کا مطلب ہوا۔ ماہ صیام کے جدا ہونے، روزہ کا عمل ٹوٹنے نیز کھانے پینے اور میاں بیوی کے میل جول کی بندش کھلنے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خلوص قلب سے پیش کیا ہوا ''ہدیہ تشکر''

ہر چھوٹا بڑے کے لیے اور ہر ممنون اپنے محسن ومربی اور مرکز عقیدت تک کوئی تحفہ اور عطیہ کسی ذریعہ اور واسطہ کے ساتھ ہی پہنچانے جاتا ہے اور اس عمل کو اپنا فطری اور اخلاقی فرض، موجب سعادت اور باعثِ خیر وبرکت عمل یقین کرتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح فرماں بردار مخلوق جب خالق مطلق اور رب رحیم وکریم کے حضور اپنی بندگی اور توفیق عبادت وریاضت کی نعمت نصیب ہونے پر اظہار سرور فرحت کے لیے جبہ سائی کا ارادہ کرے تو فقراء ومساکین کا معروف طبقہ کہ جن لوگوں کی حالت عجز واحتیاج، پروردگار کو بڑی محبوب ہے۔ ان کو اپنا وکیل اور نمائندہ بنا کر بارگاہ صمدیہ کے مناسب ہدیہ نیاز پیش کرنے پر فطرۃً اور قانوناً مامور ومجبور ہو جاتی ہے، یہ حاصل ہے، صدقۃ الفطر کی قانونی رسم اور شرعی ضابطہ کے اداء وتکمیل کا۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں تازندگی اس روحانی فصل بہار سے دل ودماغ اور جسم وجان کے لیے کسب فیض ونور کا موقع ملتا ہے۔ ورزقنا اللہ ابداً......آمین! ہم سب کو اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرنی چاہیے۔

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا نصاب: ہر آزاد، عاقل، بالغ مسلم جو گھریلو ضروریات کے علاوہ ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کے نقد روپیہ یا سونے یا اتنے وزن کے چاندی کے زیور یا اتنی قیمت کے سامان یا جائیداد یا تجارتی مال کا مالک ہو یا اس کے پاس موجود تمام اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے یا پھر وہ بجائے چاندی کے ساڑھے سات تولے سونے یا اتنے وزن کے سونے کے زیورات کا مالک ہو تو اس پر زکوٰۃ کی طرح عید الفطر کے دن نماز کا وقت آتے ہی صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے۔ مگر اتنی مالیت پر زکوٰۃ کی طرح سال کا گزرنا ضروری نہیں۔

صدقۂ فطر: ہر میاں بیوی پر صرف اپنی ذات کی طرف سے اور اپنے بے مال غیر بالغ یا بالغ مگر مجنون اولاد نیز اپنے نوکر اور خادمہ کی طرف سے صدقہ دینا واجب ہے۔ مال دار بالغ اولاد اور باقی گھر والے اپنا صدقہ خود ادا کریں۔ البتہ ان کا وکیل بن کر صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ ادا کرنا درست ہے اور اگر کسی شخص نے بغیر ایک دوسرے کی اجازت کے از خود ہی اس کی طرف سے دے دیا تو وہ ''صدقہ نفلیہ'' بن جائے گا اور اصل آدمی پر صدقۃ الفطر بدستور واجب رہے گا۔ اس کو مستقلاً ادا کرنا ضروری ہے۔

عورت شریعت کے مطابق چونکہ اکثر احکام میں مرد کی طرح مستقل شخصیت وحیثیت کی مالک ہے۔ چنانچہ نقد اور غیر نقدی مال وغیرہ کے جمع اور خرچ میں اس کی ملکیت وحیثیت بھی مستقل ہے۔ لہٰذا اس پر صرف اپنی ذات کی طرف سے صدقہ دینا واجب ہے، اپنے شوہر اور اولاد کی طرف سے نہیں! اور اگر گھر میں صرف اس کے خاوند نے صدقہ ادا کیا تو اس سے عورت پر واجب شدہ صدقہ ادا نہیں ہوگا بلکہ اسے بہر حال اپنی زکوٰۃ، عشر اور قربانی کی طرح اپنا یہ صدقۃ الفطر بھی خود ہی براہ راست لازماً ادا کرنا پڑے گا ورنہ وہ گناہ گار ہوگی۔

صدقہ فطر میں پونے دو کلو گندم (احتیاطاً دو کلو) یا گندم کا آٹا یا ساڑھے تین کلو جَو (احتیاطاً چار کلو) یا جَو کا آٹا اور ستو یا چار کلو کھجور یا کشمش یا ان کی قیمت حاضر نرخ کے مطابق دینا واجب ہے۔ فقراء کی ضرورت کے لحاظ سے نقد پیسے دینا اولیٰ اور بہتر ہے تاکہ وہ غریب خود بھی کچھ خرید کر عید کی خوشی میں براہ راست حصہ دار بن سکے۔

نمازِ عید سے قبل صدقہ فطر ادا کرنا افضل اور مستحب ہے اور عید سے ایک دو روز قبل بھی ادا کرنا جائز ہے۔

صدقہ فطر کے مستحق...... غیر مستحق: رشتہ داروں میں حقیقی دادا، دادی، ماں، باپ، نانا، نانی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی میں سے کسی کو بھی صدقہ فطر اور زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ ایسے ہی شوہر، بیوی ایک دوسرے کو صدقہ فطر نہیں دے سکتے۔ اس کے علاوہ دیگر محتاج ومسکین عزیز واقارب میں سے سوتیلے دادا، دادی، سوتیلے ماں، باپ، حقیقی چچا، چچی، پھوپھا، پھوپھی، ماموں، ممانی، خالو، خالہ، حقیقی بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، اپنے سسر، ساس، سالہ، سالی اور بہنوئی سب کو زکوٰۃ و عشر کی طرح صدقۃ الفطر دینا جائز ہے۔

سادات قریش کی پانچ شاخوں کو صدقہ فطر سمیت تمام صدقات واجبہ، زکوٰۃ وعشر دینا جائز نہیں۔ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ''تمام صدقات، محمد اور آل محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں۔ سادات بنو ہاشم کی پانچ شاخیں یہ ہیں (۱) آل علی (۲) آل عباس (۳) آل جعفر (۴) آل عقیل (۵) آل حارث (حضور ﷺ کے سب سے بڑے سوتیلے چچا حارث بن عبدالمطلب کی اولاد)

عید کے دن مسنون اعمال: (۱) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا (۲) غسل کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) حسب استطاعت کپڑے پہننا (۵) خوشبو لگانا (۶) صبح کو جلدی اٹھنا (۷) عیدگاہ میں جلدی جانا (۸) عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا کھجور یا چھوارے کے طاق دانے کھانا مستحب ہے (۹) نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا (۱۰) عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا (بہ عذر شرعی شہر کی مسجد میں پڑھنا) (۱۱) ایک راستہ سے عیدگاہ جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا (۱۲) عید گاہ جاتے ہوئے راستہ میں **اللہ اکبر ، لاالہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد** آہستہ آہستہ کہتے ہوئے جانا۔ (سواری کے بغیر پیدل عیدگاہ جانا)

نماز عید کے احکام: نماز عید کا وقت طلوع آفتاب یعنی اشراق کی نماز کے وقت کے ساتھ ہی شروع ہوجاتا ہے۔ اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔ نماز عید سے قبل کوئی بھی نفل نماز گھر یا مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ حکم عورتوں اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھ سکیں۔ نماز عید سے پہلے نہ اذان کہی جاتی ہے، نہ اقامت۔ یہ خلاف سنت اور بدعت ہے۔

طریقہ نماز: دو رکعت نماز عید واجب مع چھے تکبیرات زائدہ کی نیت کرکے امام کے ساتھ پہلی تکبیر پر ہاتھ باندھ کر **سبحانک اللّٰھم** آخر پڑھ لیں۔ پھر دوسری اور تیسری تکبیر پر ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں اور چوتھی تکبیر پر ہاتھ باندھ لیں، اب امام سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھ کر پہلی رکعت مکمل کرے گا۔ دوسری رکعت میں امام جب فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ لے تو اس کے ساتھ تینوں تکبیرات میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں اور چوتھی تکبیر پر بغیر ہاتھ اٹھائے رکوع کرلیں۔ پھر باقی ارکان سمیت نماز پوری کرلیں۔ بعد از نماز حسبِ دستور دعا بھی مانگ لیں۔

خطباتِ عید: نماز کے بعد دو خطبات سنت ہیں، انہیں خاموشی اور توجہ سے سننا چاہیے۔

جبری معانقہ ومصافحہ: خطبہ کے بعد امام کو مصلّٰی سے ہٹ کر ایک طرف ہوجانا چاہیے تاکہ لوگ آسانی سے منتشر ہوجائیں ، اسی طرح نمازیوں کا ایک دوسرے کو یا امام کو سلام اور مصافحہ ومعانقہ کرنا اور عید کی مبارک باد دینا بھی ثابت نہیں۔ گردنیں پھلانگنا، جلدی اور تیزی سے لپکنا اور جبری معانقہ ومصافحہ، سلام اور مبارک باد دینے کی کوشش کرنا قطعاً غلط اور خلافِ سنت اور بدعت ہے۔ اس غیر مسنون عمل سے بچنے کی سعی کرتے رہنا چاہیے۔

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

روزہ اسلام کی تیسری بنیاد

انسان پیدائشی طور پر ایک حیوان ہی ہے جو بقیہ حیوانوں سے عقل اور مزاج کے باعث ممتاز اور افضل ہے۔ اس کی تخلیق مرحلہ وار ہوئی ہے اور اجزاءِ تخلیق اس کے ذاتی اور داخلی مؤثر اسباب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر حیوانی صفات غالب آجائیں تو یہ حیوانوں سے بدتر ہو جاتا ہے اور اگر داخلی ملکوتی صفات غالب آجائیں تو یہ اپنے خالق کا قرب پالیتا ہے۔ اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے مزاج اور طبیعت کی تخلیق کے ساتھ ہی اسے کچھ عملی ضابطے بھی دیئے تاکہ یہ اپنی عقل، مزاج اور طبیعت کی اصلاح کر سکے اور حیوانیت وملکوتیت کے بین بین انسانیت قائم رکھ سکے اور اسے بلندیوں تک لے جائے۔ اس سلسلۂ انسانیت کی بقاء وارتقاء کے لیے نبوت کی نعمت سے بھی انسان کو ہی سرفراز فرمایا اور تمام عملی ضابطے بھی انبیاء علیہم السلام کی عملی وفکری تعلیم کے ذریعے انسانوں تک پہنچائے' انسان چاہے محلات کا باسی ہو یا جھونپڑیوں کا مکین اللہ کے ہاں سب برابر ہیں: اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عَیَالُ اللّٰہ ''مخلوق (انسان) ساری کی ساری اللہ کا کنبہ ہے۔''

ظاہر ہے اللہ اپنے کنبہ کے لیے الگ الگ قوانین وضع نہیں کرتا بلکہ کنبہ کی خلقی برابری قائم رکھتے ہوئے انہیں عملی زندگی کا نقشہ عطا فرماتا ہے اور بہترین نقشہ نبیوں کی زندگی کو قرار دیتا ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃ (تم کو بھلی تھی سیکھنی رسول کی چال)

اگر انسان سیکھے بغیر ہی اپنی اصلاح کر سکتا تو نبوت کی ضرورت تھی نہ وحی والہام کی۔ انسان کا خالق و مالک خوب جانتا ہے کہ اس کی طبیعت ومزاج میں کیا خامی ہے اور اس خامی کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے' اس کے لیے جو سب سے بہتر طریقہ تھا وہ عطاء فرمایا اور اس کی اتباع ہم پر لازم وواجب کر دی۔ اتباع اور اطاعت کے اسی سنہری سلسلے کا ایک بہت ہی اہم رکن صوم (روزہ) ہے۔

''صوم'' کے لغوی معنی کسی بھی عمل سے رکنا ہے۔ خصوصاً کھانے، پینے بولنے اور چلنے سے رکنے کا نام صوم ہے۔ رکی اور ٹھہری ہوئی ہوا کو بھی صوم کہا گیا ہے اور دن کے کلیجے میں رکے ہوئے سورج (استواء شمس نصف النہار) کو بھی صوم کہا گیا ہے۔ نہ چلنے والے نہ چرنے والے گھوڑے کو صائم کہا گیا ہے۔ شریعت مطہرہ میں اس کا معنی ومفہوم یہ ہے...... کہ ایک عاقل وبالغ مسلمان سحر سے مغرب تک اللہ کی رضا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے لیے اپنی تمام حلال اور طیب لذتوں کو بھی خیر باد کہہ دے۔ صوم کا لفظ قرآن کریم میں اپنی مختلف صورتوں کے ساتھ ۱۳ مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ اس کا یہی معنی ومفہوم ہے

۔چونکہ قرآن کریم مجموعہ قوانین واحکام ہے۔حکم خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ،خبر کی صورت میں ہو یا افشاء کی صورت میں حکم کا درجہ رکھتا ہے۔اس اعتبار سے تیرہ مرتبہ روزے کا حکم دیا گیا جس سے اس کی معاشی اور معادی حیثیت واضح ہوگئی اور کسی قسم کا خرخشہ باقی نہ رہا۔کچھ لوگوں کا ''یورپی نفس'' روزے کو بہت ہی گراں سمجھتا ہے۔اُن سے قرآن نمٹتا ہے اور کہتا ہے کہ ''یہ روزے صرف تم ہی پر فرض نہیں کئے گئے بلکہ تم سے پہلے بھی جو لوگ تھے اُن پر بھی روزے فرض تھے۔'' پھر یہ کہ ''تم روزے رکھو کہ روزہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔''......جس عمل کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے بہتر فرما دے اُسے غلط، بے ڈھب اور بے جا مشقت کہنا خالصتاً حیوانیت ہے جبکہ حیاتِ طیبہ حاصل کرنے کے لیے بہت ہی ضروری ہے کہ انسانِ کامل سیدنا محمد ﷺ کی بہر نوع اتباع کی جائے۔خود روزہ نہیں رکھ سکتا۔بیمار ہے یا ضعیف عمر رسیدہ ہے تو کسی کو روزہ کے لیے (اپنی حیثیت کے مطابق) خرچ دے دے جس کی کم سے کم حیثیت سوا دو کلو گندم یا اس کی قیمت ہے۔

روزے کی حکمت: روزہ رکھنے کی حکمت قرآن کریم نے خود بیان کی ہے: **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ''تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

متقی کے معنیٰ صوفیاء نے بیان کئے ہیں کہ مشتبہ چیزوں سے بھی بچو اور فقہاء کے ہاں اس کا معنیٰ ہے: حرام سے بچو۔اب روزہ کے حقیقی معنیٰ یوں ہوں گے کہ حلال وطیب چیزوں سے بھی اپنے آپ کو روک لو۔یعنی نفس میں ایسا قوی جذبہ پیدا کر لیا جائے کہ آدمی جب بھی کسی بات، کسی عمل اور کسی بھی چیز سے رکنا چاہے تو رک سکے۔حتیٰ کہ حلال لذتوں، طیب کھانوں، اور جائز راحت وآرام کو بھی چھوڑنا چاہے تو چھوڑ سکے۔چودھری افضل حق مرحوم نے لکھا ہے: ''اسلام' مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔نماز مجلسی مساوات کا درس دیتی ہے اور روزہ اقتصادی مساوات کے لیے تلخ حقیقت کا تجربہ ہے۔'' ایک اور جگہ یوں رقم طراز ہیں: ''اس لیے مساوات پسند مذہب نے روزہ کا حکم دے کر غریب کی زندگی کی ہلکی سی جھلک دکھا کر کہا کہ اُن کا احساس کرو جو ملک کے غلط نظام کے باعث فاقوں مر رہے ہیں۔'' روزہ نہ رکھنے والے سرمایہ دار اور جاگیردار حکمران اور سیاست دانوں کی حیوانیت پر ضرب لگاتے ہوئے چودھری صاحب یوں حملہ آور ہوتے ہیں:

''امراء تو رمضان سے پہلے ہی اپنے دوستوں میں (حلقۂ ستائش باہمی) اپنی بیماری کا پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیتے ہیں اور قسم کھانے کو احتیاطاً ڈاکٹر سے دو دن پہلے سر چکرانے کا نسخہ بھی لے لیتے ہیں تاکہ سند رہے۔روزہ سے بچنے کے لیے وہ بیماری کی ساری صورتیں قبول کر لیتے ہیں مگر معمولی فاقہ کی مصیبت نہیں اٹھا سکتے۔غریب' روزہ رکھ کر قرآن خوانی اور نوافل میں وقت گزار دیتے ہیں۔امیر' کمزور اور بیمار پر روزے کے ''برے'' اثرات کے دلائل ڈھونڈنے اور احباب میں اس کی کیفیت بیان کرنے میں بسر کرتے ہیں اور ساتھ ہی آہ بھر کر اپنی لات کی بیماری کی شکایت کر کے کہتے ہیں کہ دل تو چاہتا ہے کہ روزے رکھوں مگر ڈاکٹر آڑے آتا ہے،جی مسوس کر رہ جاتا ہوں۔''

اب تو ''من حراموں'' کی ایک طویل فہرست ہے جو روزہ نہیں رکھتے کیونکہ انہوں نے کلچرل ہونے کو مذہب پر ترجیح دی ہے۔کیا مرد کیا عورتیں، کیا امیر اور کیا غریب' اس حمام میں سب ننگے اور کلچرل ہیں۔**فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ**

اور اگر کسی سولائزڈ آدمی نے اکیسویں رمضان کا روزہ رکھنے کی مذہب پر ''مہربانی'' کر بھی لی تو اخبارات میں اس موذی کا نام ''صائمین'' کی فہرست میں سرفہرست ہوگا۔ افطاری اور دعاؤں کی دھوم مچی ہوگی۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ وہ ظہر تک تو تاب لاتے ہیں پھر اس کے بعد دل دماغ، زبان سب بے قابو ہو جاتے ہیں۔ گھر میں اُدھم مچ جاتا ہے۔ بیوی بچے یوں دبکے چھپے بیٹھے ہوئے ہیں جیسے ملزم تھانے میں۔ اور روزہ دار صاحب بہادر کے اول فول اور گالیوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ قومی اخبارات وجرائد کا رویہ بھی شرمناک ہے۔ رمضان میں بھی اخبار فروخت کرنے کے ثقفی حیلے تلاش کر لیتے ہیں۔ کبھی طبلہ وسارنگی سے سنگت کر لیتے ہیں اور کبھی کسی رنڈی کی ننگی فوٹو سینۂ اخبار پر سجا لیتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں میں روزہ، رمضان ،قرآن، اذان کے لیے بمشکل ۲۵ منٹ اور باقی قتل اسلام کے منظور شدہ پروگرام:

ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ

روزہ کی فرضیت: مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت کی تو اس کے متصل ہی ۲ ہجری میں اس امت پر روزے فرض ہوئے۔ گویا تکمیل اسلام میں ہجرت اور روزہ شانہ بشانہ ہیں یعنی اسلام کا عروج مشقتوں اور صعوبتوں کی راہ سے ہو کر آتا ہے۔ راحتوں اور لذتوں سے آشنا نہیں۔

روزہ میں بھوک پیاس لذت وراحت کو چھوڑنے سے صدرِ اسلام میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ وہ آدمی جسے انسان ہونا میسر نہیں اگر عقل وشعور کی آنکھ کھول کے دیکھے تو صحیح اور سچا انسان وہی نظر آتا ہے جو اپنا دل، آنکھیں، کان، دماغ، نفس اور روح احکام الٰہی کے سامنے ڈال دے......اطاعت، فرماں برداری اور اتباع کی وہ مثال قائم کرے جس کا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ۲۳ برس مطالبہ کیا۔

اَطِیْعُوْ اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ o مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (القرآن الحکیم)

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو o جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطالبے پر امت کا موجودہ منفی ردّعمل کسی عذاب میں تو مبتلا کر سکتا ہے لیکن مغفرت ،رحمت، بقاء، ارتقاء اور نجات کی ضمانت ہرگز نہیں دے سکتا۔

اگر دنیا میں عزت، عظمت، آبرو......اور ترقیاں مطلوب ہیں اور عقبیٰ میں سرخروئی، سرفرازی اور نجات کی آرزو ہے تو ہر عمل میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کریں اور اپنی خواہشوں کو روکیں کہ خواہشات ہی ایک ایسی دلدل ہے جس میں دھنسا ہوا کبھی نہیں نکلا۔ یہ ایک ایسا خوبصورت جال ہے جس میں پھنسا ہوا کبھی رہا نہیں ہوا۔ رمضان کا چاند طلوع ہوتے ہی جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔

روزہ اور روزہ دار کے فضائل: نسائی میں ایک حدیث سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اِنَّ اللّٰہ فَرَضَ صِیَامُ رَمَضَانَ (عَلَیْکُمْ) وَسَنَنْتُ لَکُمْ قِیَامَہٗ فَمَنْ صَامَہٗ وَ قَامَہٗ اِیْمَاناً وَّ احْتِساباً خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِہٖ

کَیَوْمٍ وَلَدَتْه اُمُّه'.

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تم پر روزے فرض کئے اور میں نے قیام کی سنت تمہیں دی، پس جس نے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ وہ گناہوں سے یوں نکل گیا جس طرح پیدائش کے دن تھا یعنی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِه (یا) وَاَنَا اَجْزِیْ بِه.

کہ روزہ میرے اور بندے کے درمیان ایک بھید ہے اور یہ صرف میرے ساتھ متعلق ہے اس لیے اس کی جزاء میں خود ہوں یا میں اپنی شان کے مطابق خو براہِ راست دوں گا۔

باقی تمام عبادات ظاہری صورت بھی رکھتی ہیں لیکن روزہ اس کی ظاہری کوئی ہیئت نہیں ہے۔ اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے یہ ایک بھید ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ایک خاص رشتہ وتعلق ہے۔

روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں مشک سے بہتر ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسواک نہ کی جائے اور منہ گندا رکھا جائے بلکہ اس بو سے مراد وہ بو ہے جو ''خُلُوْ'' کی وجہ سے معدہ اور آنتوں سے اٹھتی ہے اور منہ سے نکلتی ہے اور یہ نتیجہ ہے اس بھوک پیاس کی تلخی کا جو محض اللہ کی رضا کے لیے انسان برداشت کرتا ہے۔ اس کی پسندیدگی کی حکمت بھی یہی برداشت اور للّٰہیت (واللہ اعلم)

رمضان: رَمَضَ یَرْمَضُ، فتح بفتح کے باب سے ہے۔ معنیٰ ومفہوم یہ ہے کہ پیاس کی شدت سے اندر جل اٹھے۔ اسے کہتے ہیں رَمَضَ الصَّائِمُ روزہ دار کا اندر جل اٹھا۔ رمضان کو رمضان اس لیے بھی کہا گیا کہ یہ شدید گرمیوں میں بھی آتا ہے اس لیے مہینوں کے شمار کنندگان نے اس کا نام رمضان رکھ دیا لیکن سب سے پسندیدہ اس کا سبب جو ذکر کیا گیا وہ یوں ہے کہ:

اِنَّمَا سُمِّیَ رَمَضَانُ لِاَنَّه' یَرْمَضُ الذُّنُوْبَ اَیْ یُحْرِقُهَا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ.

اس ماہ کا نام رمضان اس لیے رکھا گیا کہ یہ اعمالِ صالحہ سے گناہ جلا ڈالتا ہے۔

اس کے پہلے دس دن رحمتِ عامہ کے، درمیان کے دس دن عام بخشش کے اور آخری دس دن جہنم سے آزادی کے جن لوگوں کے لیے جہنم واجب ہو جاتا ہے' ان کی بھی عام معافی مل جاتی ہے۔ سبحان اللہ!

کیا خوش نصیب ہے وہ آدم زادہ جو اپنی حیوانی جبلّتوں کو انسانیت کی ردائے ابیض میں لپیٹنے کے لیے اللہ جلّ شانہ' اور محمد ﷺ کی بے چوں چرا اطاعت کرتا ہے۔ اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے مالک سے رو رو کر معافیاں مانگتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں یوں پیش ہوتا ہے کہ فرشتے اس کی آمد پر اھلاً وّ سھلاً وّ مرحبا کے ڈونگرے برساتے ہیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَیِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَداً.

رمضان کی مقدس راتوں میں اور دنوں میں کوئی اللہ کا بندہ میری مغفرت کی بھی دعا کردے تو بیڑا پار ہے

(رمضان ۱۴۱۱ھ۔ اپریل ۱۹۹۱ء)

پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی — قسط:۸

خلافت وملوکیت

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عہدِ حکومت بھی تو دورِ خلافت راشدہ ''تیس سال'' کے خاتمے کے بعد دور ''بادشاہی'' میں گزرا ہے۔ ان پر ''ملک'' کے اطلاق کے باوجود کسی سنّی حتیٰ کہ شیعہ نے بھی ان کے دور کو بے دینی یا ملوکیت سے تشبیہ نہیں دی۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

یہ تسلیم کہ اہلسنت تو ان کے زہد وتقویٰ اور ان کی اصلاحات کی بناء پر ان کو خلفاء راشدین میں شمار کرتے ہیں... لیکن اہل تشیع جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کو تو کیا سرے سے ان کے ایمان کے قائل نہیں ہیں، وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور کے مداح ہیں۔ کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ ان کے دور میں ''سبائیت'' کو کھلی چھٹی تھی یا گرفت بہت ڈھیلی تھی۔ جو سبائیت اتنے طویل عرصے تک دبی رہی مگر اب اس نے اور دیگر مخالفین حکومت نے پر پُرزے دوبارہ نکالنے شروع کر دیئے تھے۔

مصر کے مشہور عالم، مؤرخ اور فقیہ علامہ محمد الخضری لکھتے ہیں:

ان کی نرمی اور چشم پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے عہد میں دوسری صدی کے آغاز میں بنی عباس کی مخفی دعوت کا سلسلہ قائم ہوا۔ (تاریخ التشریع الاسلامی مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی، ص۱۹۶)

راقم الحروف ایک عرصہ تک اس جستجو میں رہا کہ اہل تشیع جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (نعوذ باللہ) کافر، مرتد، منافق، ظالم، غاصب کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ نماز کے بعد بھی ان پر لعنت کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہنم کے سب سے آخری طبقے میں شمار کرتے ہیں۔ آخر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ ان کی کیا خاص رشتہ داری ہے؟

چنانچہ شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی جیسا منہ پھٹ اور بے لگام بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے:

''عمر بن عبدالعزیز دو سال و پنج ماہ حکومت کرد مادر او ام عاصم دختر عمر بن الخطاب وعلمائے شیعہ او را لعنت نمیکنند''

(تذکرہ الائمہ ص۷۵)

عمر بن عبدالعزیز نے دو سال اور پانچ ماہ تک حکومت کی ہے۔ ان کی ماں ام عاصم دختر عمر بن الخطاب تھیں اور علماء شیعہ ان پر لعنت نہیں کرتے۔

مزید برآں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو بھی ''خلافت راشدہ'' شوریٰ کے ذریعے نہیں ملی بلکہ سلیمان بن

عبدالملک نے ان کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اور یہ بات تو سراسر غلط ہے کہ ان کی خلافت انتخابی یا شورائی تھی۔ اگر چہ انہوں نے خلافت ملنے کے بعد اس قسم کی ایک تقریر کی تھی۔ مگر وہ تقریر محض دار الخلافہ کے چند لوگوں میں تھی، جو ان کے اپنے خیر خواہ اور خاندان کے لوگ تھے۔ انتخابی خلافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ خود مستعفی ہو جاتے اور پھر ارباب حل وعقد کو جمع کر کے شوریٰ کے ذریعے انتخابات کراتے لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ وہ تو اسی ''بدترین نظام'' کے تحت ہی خلیفہ مقرر ہوئے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

ان کے آخر عہد میں خارجیوں کے ایک گروہ نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ انہوں نے اس گروہ کے سردار کو لکھا کہ ''خون خرابے سے کیا حاصل ہے آ کر مجھ سے بحث کر لو۔ تم حق پر ہو گے تو میں مان لوں گا۔ میں حق پر ہوا تو تم مان لینا'' خارجی سردار نے یہ بات تسلیم کر لی۔ اور دو آدمی بحث کے لیے بھیج دیئے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم مانتے ہیں کہ آپ کا طریقہ آپ کے اہل خاندان سے مختلف ہے اور ان کے اعمال کو آپ مظالم سے تعبیر کرتے ہیں' مگر یہ کیا بات ہے کہ جب وہ ضلالت پر تھے تو آپ ان پر لعنت نہیں کرتے؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جواب دیا کیا ان کی مذمت کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ میں ان کے اعمال کو مظالم کہتا ہوں؟ اس کے بعد آخر لعنت کرنا ہی کیوں ضروری ہے؟ تم نے فرعون پر کتنی مرتبہ لعنت کی ہے؟ اس طرح عمر بن عبدالعزیز خارجیوں کی ایک ایک بات کا مسکت جواب دیتے چلے گئے۔ آخر ان سے ایک نے کہا ''کیا ایک عادل آدمی یہ گوارہ کر سکتا ہے کہ اس کا جانشین ایک ظالم ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کیا آپ اپنے بعد یزید بن عبدالملک کے حوالے یہ خلافت کر جائیں گے؟ درآنحالیکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ حق پر قائم نہ رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس کے لیے تو میرا پیش رو سلیمان بن عبدالملک پہلے ہی میرے بعد ولی عہدی کی بیعت لے چکا ہے۔ اب میں کیا کر سکتا ہوں؟ اس نے کہا کیا آپ کے خیال میں وہ شخص جس نے آپ کے بعد یزید بن عبدالملک کو نامزد کیا ہے اسے ایسا کرنے کا حق تھا اور اس کا یہ فیصلہ برحق ہے؟ اس پر عمر بن عبدالعزیز لاجواب ہو گئے اور مجلس برخاست ہونے کے بعد بار بار کہتے رہے کہ یزید کے معاملے نے مجھے مار ڈالا۔ اس حجت کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۹۱)

اس اقتباس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک خلیفہ راشد ہوتے ہوئے بھی باطل کا راستہ نہ روکا۔ غلطی کا ازالہ نہ کیا اور جان بوجھ کر نظامِ خلافت نا اہل کو سونپ دیا۔ ان خامیوں کے باوجود جمہور علماء محض ان کی ذاتی خوبیوں اور ان کے ورع وتقویٰ کے پیش نظر انہیں خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں۔ کیا ایسے لاکھوں عمر بن عبدالعزیز مل کر بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے رشد کو پہنچ سکتے ہیں؟ یہ بھی عجیب بات ہے کہ مدعیانِ اہلسنت نے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو خلافتِ راشدہ سے نکال دیا اور ان کے بہت بعد آنے والے عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کو اس میں شامل کر دیا۔

مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ اسی طبقہ نے عصر حاضر کے ایک سلسلہ کو تو ''راشدہ'' قرار دے دیا مگر اسے حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ لفظ ''راشد'' پسند نہیں۔ چنانچہ ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور ۲/اکتوبر ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں بالفاظ ذیل ایک اعلان شائع ہوا:

''سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ انوریہ کویت کے زیر اہتمام کنونشن، خطاب امام الہدیٰ حضرت مولانا میاں محمد اجمل قادری''

مؤرخین اور علماء اسلام کی آراء

(۱) رئیس المؤرخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدونؒ لکھتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بعد خلفاء سے تشبیہ نہیں دیئے جا سکتے۔ یہ خلفائے راشدین سے ہیں۔ ان کو ان خلفاء مروانیہ سے تشبیہ دینا جو ان کے بعد ہوئے ہیں اور ان سے مرتبہ و دین میں کم ہیں نہایت غلطی ہے اور ایسا ہی خلفائے بنی عباس جو ان کے بعد ہوئے ہیں، ان سے تشبیہ دینا غیر مناسب ہے۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ اوّل ص ۵۵۶، نفیس اکیڈمی کراچی)

(۲) مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادیؒ لکھتے ہیں:

جس طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی قیامت تک ہر انسان کے لیے بہترین نمونۂ زندگی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد ان کے جانشین یا خلیفہ کا ہونا ضروری تھا چنانچہ امر سلطنت میں ان کے جانشین ہوئے۔ ان جانشینوں میں جو لوگ براہِ راست آپ ﷺ کے تربیت کردہ، آنحضرت ﷺ سے فیض یافتہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ خلیفہ سلطنت تھے۔ وہ سلطنت و حکومت کو آنحضرت ﷺ کی حکومت سے زیادہ مشابہ رکھنے کی قابلیت و اہلیت رکھتے تھے لہذا ان کی سلطنت و حکومت خلافت راشدہ سے موسوم ہوگئی اس کے بعد جوں جوں آنحضرت ﷺ سے بعد ہوتا گیا خلافت کی حالت و حیثیت میں بھی فرق ہوتا گیا (تاریخ اسلام حصہ اوّل ص ۲۱۶)

موصوف حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں:

بعض مؤرخین نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شش ماہی خلافت کو خلافتِ راشدہ میں شامل نہیں سمجھا کیونکہ وہ قلیل مدت کے لیے تھی اور نامکمل تھی۔ نامکمل کہنا اس لیے نادرست ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی پھر تو نامکمل کہہ کر خلافتِ راشدہ سے خارج کرنا پڑے گا۔ حالانکہ یہ جائز نہیں۔

مدت خلافت کا کم ہونا بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اگر صبر و سکون سے نظر ڈالی جائے تو خلافتِ راشدہ کا نہایت ہی اہم حصہ ہے۔ (ایضاً ص ۴۶۱)

(۳) اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ زیر عنوان ''خلافتِ راشدہ کی تعریف'' لکھتے ہیں:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت راشدہ تھی۔ اور اب سیدنا امام مہدی رضی اللہ عنہ کی خلافت، خلافتِ راشدہ

ہوگی۔(الملفوظ حصہ سوم ص ۷۱، بحوالہ شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم ص ۲۲، مؤلف علامہ محمود احمد رضوی)

(۴) مفکرِ اسلام مولانا محمد اسحٰق صدیقی ندویؒ لکھتے ہیں:

آنحضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کے بعد خلفاء اور سربراہانِ مملکت امتی ہوں گے کوئی نبی نہیں ہوگا۔ خلفاء کثیر تعداد میں ہوں گے۔ خلفائے راشدین کی تعداد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تک صرف چھے ہوتی ہے۔ چھے کی تعداد کو عرف ومحاورے میں کثیر نہیں کہا جاتا۔ کثرت تو اسی وقت ثابت ہوگی جب سب خلفاء بنوامیہ وبنوعباس کو اس زمرے میں شامل کیا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث (**وسیکون خلفاء فیکثرون**) میں علاوہ خلفائے راشدین کے دمشق، بغداد اور اندلس کے سب اموی وعباسی خلفاء کی نشاندہی فرمائی گئی ہے

(اظہارِ حقیقت، جلد سوم ص ۳۱۹)

حضرت موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں امتِ مسلمہ کی دینی حالت وکیفیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ امت کا تعلق مع اللہ بہت قوی تھا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت، اس کا کلمہ بلند کرنے اور اس کے دین کو پھیلانے کے لیے جانثاری کا جذبہ اس میں بدرجۂ اَتم موجود تھا۔ تقویٰ وطہارت، اخلاص وللہیت، اتباعِ شریعتِ مقدسہ اس کا مزاج عام تھا اور عدل وانصاف، مواسات واخوّت اس کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔ مختصر کہ امتِ مومنہ کا مزاج خالصِ اسلامی مزاج تھا اس میں کوئی کمزوری یا خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی......اگر امت دینی اعتبار سے اس نقطۂ عروج پر نہ ہوتی تو اس میں سے ہزاروں افراد خلوص وللّہیت کے ساتھ سمندر میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکل نہیں سکتے تھے......پھر یہ حضرات اس قدر مخلص تھے اور ان کا جہاد اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایسا مقبول اور پسندیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی سے اپنے رسول ﷺ کو اس کی مقبولیت اور ان مجاہدین کے اخلاص وللہیّت سے مطلع فرمایا کیونکہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے پھر نبی کریم ﷺ نے اس کی خوش خبری امت کو دی......سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت بہت ہی مبارک دور تھا۔ وہ اور ان کے معاونین، ان کے مقرر کئے ہوئے جمہور عمّال وحکام سب مقبول عنداللہ اور مقبول عندالناس تھے۔ اور ان کی خلافت وحکومت کو جمہور اہلِ اسلام بہت پسند کرتے تھے (ایضاً ص ۳۷، ۳۳۵)

(۵) مشہور محقق اور مصنف مولانا سید عبدالقدوس ہاشمیؒ لکھتے ہیں:

ان میں چھے بزرگ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کبار تھے۔ انہیں خلفاء راشدین کہا جاتا ہے اور ان کی خلافت کو خلافتِ راشدہ کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ ۱۱ھ سے ۶۰ھ یعنی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے شروع ہوکر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات تک شمار ہوتا ہے۔

بنی عباس کے عہد میں بعض سیاسی وجوہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروانِ ثانی تک خلفاء کو خلفائے بنوامیہ کہا گیا اور ان کے عہد کو خلافتِ بنوامیہ کا نام دیا گیا۔ یہی اموی خلافت کا دور کہلاتا ہے۔ اس طرح خلافتِ راشدہ کے عہد کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک محدود کر دیا گیا......

یہ اصطلاح کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے لے کر مروانِ ثانی تک سب کو خلفائے بنوامیہ کہا جائے' عہد عباسی کے خوشامدیوں نے بنائی ہے تاکہ عباسیوں کی خوشنودی حاصل کریں۔ ورنہ تاریخی اور عقلی دونوں بنیادوں پر یہ اصطلاح غلط ہے۔

(خلافتِ اسلامیہ ص۲۴ تا ۲۷)

(۶) مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی لکھتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک خلیفہ راشد تھے۔ اور ان کی خلافت ان ہی معنوں میں خلافتِ راشدہ تھی، جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کی خلافت ''خلافتِ راشدہ'' تھی۔ اور خلافتِ راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے کی کوئی دلیل نہیں سوائے ایک حدیث کے جس کے روایتاً ودرایتاً غیر صحیح ہونے کو ہم نے بدلائل واضح ثابت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دلیل ''خلافتِ راشدہ'' کو تیس سال میں مقید اور محدود کرنے کی نہیں ہے، اب صرف ایک غیر صحیح حدیث پر خلافتِ راشدہ کو محدود کرنے کا نظریہ قائم کرنا ہمارے نزدیک نہ صرف صحیح نہیں بلکہ قرآن وسنّت کے بھی خلاف ہے۔ اور اگر اس حدیث کو کسی صورت میں صحیح بھی مان لیا جائے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی راشدہ ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ خود سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے مدّت شمار کرنے میں ان کی خلافت کو نکال دیا اور اگر ان کی خلافت کو بھی خلافتِ راشدہ میں شامل کر لیا جائے تو پھر سمجھ نہیں آتا کہ بعض بزرگوں نے کس دلیل سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو بھی خلفائے راشدین میں شمار کر لیا ہے۔ حالانکہ عمر بن عبدالعزیز کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ اول الذکر ایک تابعی ہیں جبکہ آخر الذکر ایک فقیہ' مجتہد، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کاتبِ وحی، اللہ کی وحی کے امین، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی اور خال المؤمنین، سیاست میں نابغۂ روزگار، ہادی اور مہدی ہیں۔

(سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت وکردار ص ۲۸۳ جلد دوم)

......قرآن کہہ رہا ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم راشدین میں سے ہیں لیکن ہم ایک ہی بات کی رٹ لگا رہے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم راشدین تھے، اس وجہ سے ان کی خلافت راشدہ تھی۔ لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد والے لوگ صحابی ہونے کے باوجود راشد نہ تھے۔ لہٰذا ان کی خلافت بھی خلافتِ راشدہ نہ ہوئی۔ (ایضاً)

کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بقول قرآن حکیم اولٓئک ھُم الراشدون، خود راشد نہیں؟ کیا ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے والے راشد نہیں تھے؟ جب وہ خود بھی راشد تھے اور ان کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کرنے والے بھی ''راشدین'' کی جماعت کے لوگ تھے۔ جنہوں نے ان کی خلافت میں گورنری تک کے عہدے حاصل کئے تو پھر ان کی خلافت کو خلافتِ راشدہ کیوں نہیں کہا جاتا؟ (ایضاً ص ۲۵۰)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ادوارِ خلافت تو بالاتفاق خلافت راشدہ کے دور تھے۔ ان دونوں خلافتوں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق کے اہم صوبے کے گورنری کے جلیل القدر عہدے پر قریباً بیس سال تک فائز رہے (یہاں حکیم صاحب نے گورنری کی مدت دو خلافتوں میں بیس سال لکھی ہے حالانکہ وہ سولہ سال بنتی ہے۔ ممکن ہے کہ حکیم صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کو بھی شامل کرلیا ہو، کیونکہ تحکیم کے بعد انہوں نے مملکت کو تقسیم کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے منصب پر بحال رکھا تھا) پھر کیا وجہ ہے کہ جب ان کا دورِ خلافت آیا تو یکا یک ان کی خلافت، ملوکیت میں تبدیل ہوگئی۔ حالانکہ انہوں نے اپنی خلافت میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے طریق سے ہٹ کر ہو۔ آج جو اعتراضات ان کی خلافت کو غیر راشدہ یا ملوکیت ثابت کرنے کے لیے کئے جاتے ہیں' وہ سب بعد کے ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ خود ان کے زمانۂ خلافت میں یا ان کی خلافت کے سو سال بعد تک ان پر اس قسم کے کوئی اعتراضات نہیں ہوئے۔

خود ان کا دورِ خلافت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور تھا جس کو حدیث نبوی ﷺ میں ''خیر القرون'' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اور ان کی خلافت میں کئی ایک صحابہ جلیل القدر عہدوں پر فائز تھے۔ اس کا یہ معنیٰ ہوا کہ عہدِ معاویہ رضی اللہ عنہ اگر خلافتِ راشدہ کا دور نہیں تھا بلکہ ملوکیت کا دور تھا تو وہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم ملوکیت کی مشین کے لیے پرزوں کے طور پر کام کرتے رہے۔ اور انہوں نے اس نظامِ حکومت کو پروان چڑھایا، جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ قطعاً راضی نہ تھے اور یہ بات محالات میں سے ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم جاہلیت اور باطل کے نظام کو دنیا میں کبھی فروغ دینے کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر غیر راشدہ کا اعتراض کئی جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم پر اعتراض ہے جو ان کی خلافت کو صحیح اور راشدہ سمجھ کر ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ہوگئے تھے۔ (ایضاً ص ۲۹۱)

(جاری ہے)

مسافرانِ آخرت

☆ مجلس احرار اسلام جلال پور پیروالا کے صدر جناب عبدالرحمٰن جامی نقشبندی کی والدہ ماجدہ ۲۴ رشعبان ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰راکتوبر ۲۰۰۴ء بروز اتوار انتقال کر گئیں۔

☆ ملتان میں ہمارے دیرینہ کرم فرما اور مہربان جناب محمد اقبال خان خاکوانی کے جوان فرزند محمد عمران خان یکم رمضان المبارک کو انتقال کر گئے۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے، خطاؤں کو معاف کر کے اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ آمین

قارئین رمضان المبارک میں اپنی خصوصی دعاؤں میں مغفرت وایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ (ادارہ)

محمد اویس قرنی

حسنِ سلوک

ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اچھا آدمی بننا چاہتا ہوں۔ اللہ میری پردہ پوشی کرے۔ فرمایا لوگوں کی پردہ پوشی کرو۔ عرض کیا سب سے بڑی برائی کیا ہے فرمایا بداخلاقی اور بخل۔ عرض کیا سب سے بڑی اچھائی کیا ہے؟ فرمایا اچھے اخلاق اور تواضع اور پھر عرض کیا اللہ کے غصے سے بچنا چاہتا ہوں ۔فرمایا لوگوں پر غصہ کرنا چھوڑو۔

حدیث مبارکہ میں جسمانی اور روحانی بیماریوں کا جو علاج آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجویز فرمایا ہے‘ وہ بہرحال لوگوں کے ساتھ نفع رسانی، ہمدردی، تواضع اور اچھے اخلاق پر منحصر رکھا گیا ہے۔

کون بدنصیب انسان ایسا ہوگا جو اس کی خواہش نہ کرے جس چیز کی چاہت ان صحابیؓ نے کی ہے یقیناً اور لامحالہ ہر ایک آدمی چاہے گا کہ میں ہمیشہ خوش رہوں اور کوئی تکلیف، پریشانی و پشیمانی نہ ہو۔ مگر جب ہم اس جہانِ فانی میں رہنے والی اربوں ہستیوں کی زندگانی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو اچھے اخلاق، ہمدردی، اور نفع رسانی جیسے الفاظ ایک عفریت مہیب اور حربہ بے امان معلوم ہوتا ہے۔

عجب دور آیا ہے کہ آج اگر کسی کس وناکس کے ساتھ احسان اور ہمدردی کی جائے تو بجائے اس کے احسان مند اور شکرگزار ہونے کے اسے طرح دے جاتا ہے اور اپنے ہونے والی اس ہمدردی کو اس کی مجبوری گردانتا ہے۔ دل کرتا ہے کہ ایسے لوگ ہمیشہ تنگدستی، مفلسی اور ہر وقت طرح طرح کی تکالیف میں گھرے رہیں، راحت وسکون کی تمام نیلگیاں ان پر ہر آن بند رہیں۔

آپ نے اکثر ایسی معزز ہستیوں کے چہرے دیکھے ہوں گے کہ فطری طور پر ان کی شکلیں ایسی ہوں گی کہ ان کے چہرے غصے کے بادل میں گھرے رہتے ہیں، ماتھے کے تیور بدلے ہوئے ہوتے ہیں‘ رخساروں کی سلوٹیں ہر گھڑی تنی رہتی ہیں اور یہ تجربہ ہے کہ اکھڑ مزاج اور چڑ چڑا پن انہی میں زیادہ ہوتا ہے۔ بات کرو تو منہ سے آگ کے شعلے نمودار ہوتے ہیں حد تو یہ ہے کہ فی زمانہ ایسے فرعانہ اور نماردہ بھی موجود ہیں کہ ان کے پاس رہنے کو گھر نہیں ہوتا پہننے کو کپڑا میسر نہیں مگر ان کے غرور اور کبر کا یہ عالم ہے کہ بڑے بڑے رئیس اور اغنیاء بھی ان سے شرم محسوس کریں بس بے نام سی نیرنگیاں لیے پھرتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ خوش خلقی اور احسان و ہمدردی سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں کہ اس کا صلہ نہایت بے رحمی اور

بے دردی سے دیتے ہیں اور تو اور اپنے محسن سے بولنا تک چھوڑ دیتے ہیں (کبھی تجربہ کر کے دیکھ لیجئے) ایک آدمی صاحبِ حیثیت ہو، عزوجاہ کے دولت کدہ پر براجمان ہو۔ اب ایسا شخص اگر حسنِ اخلاق سے لگاؤ نہیں رکھتا اور وہ ہمیشہ ہمدردی اور بھائی چارے کا بدلہ برائی سے ہی دیتا ہے تو بھی بات سمجھ میں آتی ہے مگر ایک وہ شخص جس کے پاس لاؤ لشکر نہیں زر و جواہرات نہیں اور اس کے علاوہ کوئی قابلِ فخر شے اس میں نہیں اور غزہ ایسا کہ خدا کی پناہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا یوں تو تکبر اللہ تعالیٰ کو ہر شخص میں ناپسند ہے مگر اس میں زیادہ ناپسندیدہ ہے کہ وہ قابلِ فخر چیز نہیں رکھتا مگر پھر بھی تکبر کرتا ہے۔ بس ایک طبع زاد شریف، صلح جو اور مردِ مومن کو یہ بات اپنے پلے باندھ لینی چاہیے کہ اپنے لوگوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اگر وہ ایک ہاتھ تم سے دور بھاگتے ہیں تو تم دو ہاتھ ان سے پرے رہو۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی کہ بیٹا تم اتنے میٹھے نہ بنو کہ لوگ تمہیں نگل جائیں نہ اتنے کڑوے کہ لوگ تھوک دیں اور تقریباً یہی بات امام شافعیؒ نے بھی فرمائی ہے جو کہ علامہ ابن الصلاحؒ نقل فرماتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ترش روئی سے پیش آنا لوگوں کو دشمن بنالینا ہے اور بہت زیادہ خندہ پیشانی برے ہم نشینوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ لہٰذا بہت زیادہ خندہ پیشانی اور ترش روئی کے درمیان معتدل راہ اختیار کرو۔

....

رمضان، عید اور ہم

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبع آزاد پہ قید رمضاں بھاری ہے
تمہی کہہ دو کہ یہ آئینِ وفاداری ہے
قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں

(علامہ اقبالؒ)

حافظ عبدالجبار عمر
(ڈجکوٹ، فیصل آباد)

حمد باری تعالیٰ

اے خالق کُل ، اے رازقِ کُل ، اے حاکمِ کُل!
ذرہ ذرہ کائنات کا بول رہا ہے حمد تیری

حاجت روا اور مشکل کشا ہے تو کُل جہاں کا
تُو ہی دے رہا ہے زباں پہ یہ جاری ہے حمد تیری

تُو کریم اور اکرم بھی تُو رحیم اور ارحم بھی
شاہ و گدا سب ہی کررہے ہیں حمد تیری

ہر اک چیز ہے مدح سرا ہر اک کی زباں پہ تیری ثناء
شجر و حجر ، بحر و برّ میں بھی جاری ہے حمد تیری

ہو جبیں میری دَر تیرا میں ساجد تُو مسجود میرا
انبیاء و اولیاء بھی کررہے ہیں یہی حمد تیری

لیل و نہار صبح و مَسا و شام و سحر
حالتِ نزع میں بھی ہوجاری زباں پہ حمد تیری

شورش کاشمیریؒ

نعت رسولِ مقبول ﷺ

جی چاہتا ہے نعتِ پیمبر لکھا کروں
جب تک جیوں رسولِ خدا کی ثنا کروں

یہ آرزو ہے گنبدِ خضریٰ کے آس پاس
شاہِ اُمم سے عرضِ تمنا کیا کروں

قیدِ حیات ، ذوقِ طلب ، قصۂ وصال
اب ان میں کیا دھرا ہے انہیں لے کے کیا کروں

یہ جرم مجھ فقیر سے ہو گا نہ حشر تک
اربابِ اختیار کی مدح وثنا کروں

اس سے بڑا گناہ نہیں اس زمین پر
جولوگ راہزن ہیں انہیں رہنما کروں

چھیڑوں کسی طریق سے افسانۂ نیاز
شعروسخن کے روپ میں ذکرِ وفا کروں

میری طرف سے ماضیٔ مرحوم کو سلام
ترکِ وفا کے بعد بھی عہدِ وفا کروں؟

بیکار مخمصے ہیں فراق و وصال کے
کب تک زبانِ کلک کو شکویٰ سرا کروں

کب تک کروں میں خنجرِ قاتل کا احترام
کب تک ستم گروں کے غضب سے ڈرا کروں

کب تک سفینہ ہائے وفا ڈوبتے رہیں
کب تک میں ناخدا کا خدا سے گِلا کروں

اس آرزو کے بعد کوئی آرزو نہیں
شورشؔ خدا کے خوف سے دل آشنا کروں

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

صیام کے دن ہیں

دلوں کا دیس بساؤ صیام کے دن ہیں
خدا سے ربط بڑھاؤ' صیام کے دن ہیں

دعائیں مانگ کے لے لو وصال کی گھڑیاں
حروفِ وصل سناؤ' صیام کے دن ہیں

ماہِ صیام کا تم سے یہی تقاضا ہے
کہ لَو خدا سے لگاؤ' صیام کے دن ہیں

نبی کے سینے پہ اتری ہے جو کتابِ ھدیٰ
وہی غنا سے سناؤ' صیام کے دن ہیں

بتوں کے سامنے سر کو جھکا نہیں سکتے
خدا کے سامنے جھک جاؤ' صیام کے دن ہیں

جھکیں گے لالہ و گل بھی' سبھی مغنی بھی
یہ نغمہ تم بھی سناؤ' صیام کے دن ہیں

بلا رہی ہے تمہیں یہ فضاءِ لا ہوتی
تم اس فضا میں تو آؤ' صیام کے دن ہیں

سنو خدا کے لیے یہ غناءِ ملکوتی
تم اس پہ کان لگاؤ' صیام کے دن ہیں

حروف ولفظ و کتابِ ھدیٰ کے ہوتے ہوئے
فسانے اب نہ سناؤ' صیام کے دن ہیں

خدا کے قرب کے لمحوں کے اس مہینے میں
قریبِ غیر نہ جاؤ' صیام کے دن ہیں

کہاں شعور تمہارا وہ آگہی ہے کہاں
یہ خود کو راہ سجھاؤ' صیام کے دن ہیں

(یکم رمضان ۱۴۱۹ھ۔ جنوری ۱۹۹۹ء)

بنتِ امیرِ شریعت سیدہ ام کفیل مدظلہا

احساسات

مدفنِ آرزو ہوں میں، مرقدِ خواہشات ہوں
بادِ فنا کا ہم سفر ذرۂ بے ثبات ہوں

دیدہ وروں نے جھانک کر دیکھا نہیں کبھی ادھر
درد و خلوص و مہر کی چھوٹی سی کائنات ہوں

جوئے وفا کے کھوج میں رَہروِ شش جہات ہوں
دل کو قرار ہی نہیں منتظرِ ممات ہوں

سوزشِ قلب میں ڈھلے فکر و ہموم رنج و غم
خالقِ کائنات کی مرضی سے بس حیات ہوں

دارِ بنی ہاشم، ملتان
۱۸/ اگست ۲۰۰۴ء

ابوسفیان تائبؔ

بش،بلیئر سے دوستی کیسی؟

چمکتا دور سے اکثر سراب ہوتا ہے
کرے جو پیچھا وہی آب آب ہوتا ہے

جو کروڑوں کا کھیلتا ہے جُوا
وہ پرنس اور جناب ہوتا ہے

پانچوں گھی میں ہیں چور اچکوں کی
پھر بھی خانہ خراب ہوتا ہے

بش ، بلیئر سے دوستی کیسی
آستینوں میں سانپ ہوتا ہے

ایک دھمکی ہزار شکووں کا
اس طرف سے جواب ہوتا ہے

شرف پاتا ہے وہ مشرف سے
جو بھی حاضر جناب ہوتا ہے

جو شجاعت ، جمالی جیسا ہو
بڑا عزت مآب ہوتا ہے

بات حق کی جو منہ سے کہتا ہے
وہ ہی زیرِ عتاب ہوتا ہے

وانا ، کانیگرم ، شکئی میں اب
روز یومِ حساب ہوتا ہے

ایسی باتیں نہ تم کرو تائبؔ
دل میں اک اضطراب ہوتا ہے

تحریر: پروفیسر عابد صدیق

مرسلہ: حافظ صفوان محمد چوہان

اقبال کے افکار کا مختصر جائزہ خطبات کی روشنی میں

پروفیسر عابد صدیق صاحب کا یہ مضمون قلم برداشتہ حالت میں ملا ہے۔ اِس کی تبییض کے دوران میں اکّا دکّا سہو ہائے قلم کی درستی کے ساتھ ساتھ میں نے چند جگہوں پر اصطلاحات کے ترجمہ کا اضافہ کیا ہے۔ اِس کام کے لیے مجھے خطبات از اوّل تا آخر پہلے انگریزی اور بعد ازاں اردو میں بار بار پڑھنا پڑے۔ اِس مضمون کا سنہ تحریر اور اس کا کہیں شائع ہونا میرے علم میں نہیں۔ (حافظ صفوان محمد چوہان)

علامہ اقبالؔ نے مدراس مسلم ایسوسی ایشن کی دعوت پر ۳۰۔۱۹۲۹ء میں الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیلِ جدید کے سلسلے کے چھ خطبے تحریر کیے، جن میں سے تین مدراس اور تین علی گڑھ میں پڑھے۔ میسور اور حیدر آباد دکن میں بھی بعض خطبات کا اعادہ کیا۔ پہلی بار یہ خطبے ۱۹۳۰ء میں لاہور سے شائع ہوئے۔ دوبارہ یہ خطبات بعض لفظی ترامیم اور ایک مزید خطبے کے اضافے کے ساتھ ۱۹۳۴ء میں انگلستان میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ’’Reconstruction of Religious Thought in Islam‘‘ کے عنوان سے چھپے۔ یہ ساتواں خطبہ حضرت علامہ نے ارسطو سوسائٹی لندن (Aristotelian Society) کی دعوت پر ۱۹۳۲ء میں پڑھا۔

علامہ اقبالؔ کے یہ خطبات اسلامی حکمت اور مغربی فلسفہ کا نچوڑ ہیں۔ اِن خطبات میں حضرت علامہ نے موجودہ زمانے کے فکری مسائل اور فلسفیانہ موضوعات پر اسلامی حکمت کے حوالے سے تنقید بھی کی ہے اور مغرب کے جدید علوم کی روشنی میں حکمتِ اسلامیہ کے بعض اہم مسائل کی تشریح کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اور اپنے یقین کی حد تک حضرت علامہ نے کامیاب کوشش کی ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ کسی سوال کا قطعی جواب دینا فلسفہ کی حدود سے خارج اور اُس کی روح کے منافی ہے، البتہ فلسفہ موجود سوالات کو زیادہ قابلِ فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہے، اور مسائل کی تفہیم میں نئے ربط اور نئی ترتیب کے ذریعے اُن کے نئے رخ اور نئی جہات کی تلاش اس کے منصب میں داخل ہے۔ چناں چہ حضرت علامہ نے خطبات کے مقدمے میں فلسفے کی حدود اور طریقِ کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

> ’’......فلسفیانہ افکار میں کوئی قطعیت موجود نہیں ہوتی......میرے پیش کردہ نظریات سے ممکن ہے بہتر اور مناسب نظریات پیش کیے جائیں۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم فکرِ انسانی کی روز افزوں ترقی کا بنظرِ غائر مطالعہ

کرتے ہوئے آزادانہ تنقید کا طریق کار اختیار کریں۔''

حضرت علامہ نے اِن خطبات کی تیاری میں یہی طریقِ کار اختیار کرتے ہوئے انسانی فکر کا جو سرمایہ اُن تک پہنچا، اُس کی تنقید اور تنقیح کر کے مختلف فلسفیانہ مسائل پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، اور ایک مرتّب نظامِ فکر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو اسلامی الٰہیات کی جدید تعبیر پر مبنی ہے۔ علومِ جدیدہ کی اصطلاحات کی روشنی میں مذہبی واردات کے حوالے سے اسلامی الٰہیات کی یہ تشریح بذاتِ خود بہت مشکل کام تھا۔ مزید برآں یہ کہ حضرت علامہ نے اِس کام کے لیے نہایت ادق اسلوب اختیار کیا۔ اِن خطبات کے اِس قدر مشکل انگریزی زبان میں تحریر کرنے کا سبب جب حضرت علامہ سے دریافت کیا گیا تو ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کی روایت کے مطابق حضرت علامہ نے فرمایا:

''مسلمانوں میں دین والا آدمی جب فلسفے کی اصطلاحوں میں بات کرتا ہے تو اُس کی بات میں وقار اور وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر محض فلسفے والا آدمی جب دین کی بات کرتا ہے تو اُس کی نہ فلسفیانہ حیثیت ہوتی ہے اور نہ دینی لحاظ سے اُس میں وزن۔''

حضرت علامہ بلاشبہہ دین والے آدمی تھے۔ وہ مغربی فلسفیانہ افکار، جدید نظریات اور سائنسی انکشافات سے قطعاً مرعوب نہ تھے، اور وہ دنیا کے تمام نظام ہائے حیات پر دینِ اسلام کی فوقیت کا یقینِ کامل رکھتے تھے۔ اور وہ دانشِ برہانی کے ذریعے ہی دانشِ قرآنی کی عظمت، فوقیت اور قطعی صداقت کے صدقِ دل سے قائل ہوئے۔ حضرت علامہ کے ارشاد کے مطابق اِن خطبات کا ترجمہ ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' کے نام سے کیا گیا۔ اِس نام کی وضاحت کرتے ہوئے سید نذیر نیازی لکھتے ہیں کہ:

''...... ''تشکیل'' ایک نئی فکری تشکیل ہے۔ ''الٰہیات'' عقل اور ایمان کا وہ نقطۂ اتصال ہے جس کی بناء علم پر ہے۔ اور ''اسلام'' محسوس حقائق کی اِس دنیا میں زندگی کا راستہ ہے۔''

عنوان کی اِس تشریح سے علامہ کے اِن خطبات کے موضوع پر روشنی پڑتی ہے۔ فکر کی اِس نئی تشکیل کے مَباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل کی بنیاد علم بالحواس ہے اور ایمان کی بنیاد علم بالوحی ہے۔ اور اسلام انسان کے فکری ارتقا میں استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ اقبالؔ عقل و فکر اور وجدان و ایمان کو ایک دوسرے کا معاون قرار دیتے ہیں۔

اسلامی فلسفے کی دنیا میں اِن خطبات کے مقام کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر اینماری شمل (Dr Annemarie Schimmel) نے Gabrial's Wing میں اور ڈاکٹر سید حسین نصر نے خطبات کے فارسی ترجمے کے مقدمے میں اِن خطبات کو دوسری احیائے علوم الدین کہا ہے۔ یعنی جس طرح حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیائے علوم الدین میں اپنے زمانے کے تمام فلسفوں کا جائزہ لیتے ہوئے عقلی اور فلسفیانہ بنیادوں پر اسلام کی برتری ثابت کی

تھی، وہی کام اِس دور میں حضرت علامہ نے کیا ہے۔ مذہب کو چند غیر عقلی اعتقادات وتبرکات کا مجموعہ سمجھنے کی جس غلطی میں مادہ پرست فکر کے حامل فلسفی اکثر گرفتار ہو جاتے ہیں، علامہ نے اُن کے افکار پر کڑی تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ دین یا اسلام ایک فعال تمدنی قوت کا نام ہے، جو انسانی زندگی کی تمام عملی وفکری ضروریات میں اُس کی رہنمائی کا فرض ادا کرتا ہے۔ اور اِسی بحث کے دوران میں وہ وسیع پیمانے پر فلسفہ، مابعد الطبیعیات، تاریخ، نفسیات، طبیعیات اور ریاضیاتی سائنس کے مشہور نظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اِن مَباحث میں اُن کا رویہ آزادانہ تنقید کا ہے۔ اِن علوم کے معلوم کی نفی کرنا اُن کا مقصود نہیں بلکہ معقول تفہیم وتشریح کے ذریعے اُس کی حدود کا تعین ہے۔ تلاشِ حقیقت کے سفر میں جدید علوم کا یہ معلوم جب فکرِ انسانی کو خلاؤں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے تو علم بالوحی انسان کی رہنمائی کے لیے آتا ہے۔ اِس طرح حضرت علامہ ذات و کائنات کے مسائل کے حل کے لیے روحانی واردات، مذہبی تجربہ اور وجدانی حقائق سے بحث کرتے ہیں، اور مختلف عنوانات کے تحت اِن مَباحث کو اپنے ساتوں خطبوں پر پھیلا کر نوعِ انسانی کی فکری رہنمائی کی کوشش کرتے ہیں، جس کے لیے ۱۹۰۸ء میں یورپ سے واپسی کے بعد سے ۱۹۳۸ء میں انتقال تک کے پورے عرصے میں وہ مسلسل بے تاب رہتے ہیں۔ اردو شاعری، پھر فارسی شاعری، اور پھر انگریزی کے یہ خطبات -- سب اُسی حکیمانہ شعور کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش ہیں جو اقبالؔ کو مسلسل غور وتدبر اور فکر وذکر سے حاصل ہوا۔ اِن خیالات کی ترتیب واظہار میں حضرت علامہ نے کس قدر دکھ اُٹھایا اور کیسے کیسے یاس انگیز لمحات میں اُنھوں نے اپنے دل میں جلنے والے اِس الاؤ کو سرد ہونے سے بچانے کے لیے جدوجہد جاری رکھی، اِس کا کچھ اندازہ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء تک کے اُن خطوط سے ہوسکتا ہے جو اُنھوں نے اِس عرصے میں اپنے دوستوں کو لکھے۔ ۱۹۰۹ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''......وہ خیالات جو میری روح کی گہرائیوں میں ایک طوفان بپا کیے ہوئے ہیں، عوام پر ظاہر ہوں تو پھر مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہوگی۔ دنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گی اور مجھے اپنے آنسوؤں کا خراجِ عقیدت پیش کرے گی۔''

خیالات کے اظہار کی یہ تڑپ بالآخر ۳۰-۱۹۲۹ء میں اِن خطبات کے لکھنے کا سبب بنی۔

اب اِن خطبات کے مَباحث کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

پہلے خطبے ''علم اور مذہبی مشاہدات'' میں کائنات کی حقیقت، اور کائنات کی تغیر پذیری میں انسان کا منصب، کائنات اور خدا، کائنات اور انسان، انسان اور خدا کے باہمی رشتوں کا ذکر کرتے ہوئے اقبالؔ کائنات کے بارے میں فلسفہ اور مذہب کے رویہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ فلسفہ اور مذہب کے مشترک اور غیر مشترک امور سے بحث کرتے ہیں۔ پھر ظاہر اور باطن یعنی مرئی اور غیر مرئی حقائق یا عالمِ محسوسات اور عالمِ اَقدار واَرواح کے بارے میں مختلف مذاہب کا طرزِ عمل بیان کر کے بتاتے ہیں کہ قرآن مطالعۂ انفس وآفاق پر کیوں زور دیتا ہے۔

پھر حقیقت تک رسائی کے ذرائع کی حیثیت سے عقل و وجدان پر بحث کرتے ہیں۔ اِن مَباحث کے ذیل میں وہ بتاتے ہیں کہ ایمان محض جذبے یا تأثر ہی کا نام نہیں بلکہ اِس میں عقل کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ مذہبی اصولوں کا انحصار معقولیت پسندی پر ہے۔ لیکن دین و ایمان کو عقل کی روشنی میں دیکھنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اُن پر فلسفے اور عقل کے تفوق کو تسلیم کرلیا جائے۔ فکر اور وجدان ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ایک ہی سرچشمے سے فیض یاب ہیں۔ برگساں (Bergson) کا یہ کہنا درست ہے کہ وجدان عقل ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ سقراط اور افلاطون محسوسات کے علم کو غیر حقیقی خیال کرتے ہیں، اِس لیے اعیانِ نامشہود (Invisible ideas) پرستار ہیں، جب کہ اسلام باطن کے ساتھ ساتھ ظاہر کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ اشاعرہ(۱) (Asharite Thinkers) کا نصب العین اسلام کے معتقدات اور اصولوں کی یونانی جدلیات (Dialectics) کی مدد سے حمایت کرنا تھا۔ کانٹ (Kant) نے انسانی عقل کی حدود واضح کیں، جب کہ غزالی عقلیت کی بھول بھلیوں سے نکل کر صوفیانہ واردات تک پہنچتے ہیں، جن سے عقل و فکر کی محدودیت اُن پر واضح ہوئی۔ البتہ وہ اِس حقیقت کو نہ پا سکے کہ عقل و وجدان آپس میں مربوط ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اسلام کے اساسی تصورات کو فلسفیانہ انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اگر انسان ترقی پذیر زندگی کی حرکت کو محسوس نہ کرے تو اُس کی روح پتھر کی مانند سخت ہو جاتی ہے، اور انجامِ کار انسان بے جان مادے کی سطح پر آ جاتا ہے۔ اِس لیے حقیقتِ مطلقہ کے کلّی اِدراک کے لیے ہمیں حسّی علم کے علاوہ علمِ باطن بھی سیکھنا چاہیے۔ اگر چہ ہمارے پاس کوئی ایسا مؤثر سائنسی طریق کار نہیں ہے جس کی وساطت سے ہم صوفیانہ شعور کے عناصرِ ترکیبی کا تجزیہ کر سکیں۔ جب کہ صوفیانہ مشاہدہ ہی حقیقت کے کلّی علم کے حصول کا باعث بنتا ہے۔

دوسرے خطبے کا عنوان ''مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار'' ہے۔ اِس میں اُنھوں نے ہستی کے تین مدارج یعنی مادہ، حیات اور شعور پر مفصل بحث کی ہے۔ مادیت کی بحث میں اُنھوں نے نیوٹن (Newton)، زینو (Zeno)، اشاعرہ، ابنِ حزم، برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell)، برگساں (Bergson)، آئن سٹائن (Einstein)، اور اوس پنسکی (Ouspensky) کے تصوراتِ زمان و مکان کا ذکر کیا ہے، اور پھر قرآنی تصورِ زمان و مکان کا موازنہ ارسطو، آئن سٹائن اور میک ٹیگرٹ (McTaggart) کے نظریات سے کیا ہے۔ خدا کے وجود کے بارے میں کائناتی استدلال، غائتی استدلال اور وجودی استدلال کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ ہستیِ مطلق کے یہ تینوں ثبوت لائق تنقید ہیں۔ صرف قرآنِ حکیم ظاہر و باطن کی خلیج کو پاٹ کر اور وجود کی ثَنویت (Dualism) کو ختم کر کے اُس حقیقتِ کاملہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو بیک وقت ظاہر بھی ہے باطن بھی، اوّل بھی ہے آخر بھی۔

مادے کے قدیم نظریے یعنی زمان و مکان میں اُس کے مستقل بالذات ہونے کو آئن سٹائن نے باطل ٹھہرا دیا۔

اقبالؔ و ہائٹ ہیڈ (Whitehead) کے اِس نظریے سے اتفاق کرتے ہیں کہ فطرت کوئی جامد حقیقت نہیں بلکہ واقعات و حوادث کا ایسا مجموعہ ہے جو مسلسل تخلیقی رو کا مالک ہے۔ جب کہ نیوٹن کا نقطۂ نظر خالص مادی تھا۔ وہ مکان کو ایک آزاد خلا قرار دیتا ہے جس میں چیزیں معلق ہیں۔ زینو مکان کو لاتعداد نا قابلِ تقسیم نقاط پر مشتمل سمجھتا تھا۔ وہ حرکتِ مکانی کو ناممکن قرار دیتے ہوئے تیر کی مثال دیتا ہے کہ تیر حرکت کے دوران میں بھی جگہ کے کسی نہ کسی نقطے پر ٹھہرا ہوا ہوتا ہے۔ برگساں، ابنِ حزم، برٹرینڈ رسل اور کینٹر (Cantor) وغیرہ نے زینو کے دلائل کو رد کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اقبالؔ اُن کی کوششوں کو کامیاب تصور نہیں کرتے بلکہ آئن سٹائن کے نظریۂ زمان کی وضاحت کرتے ہوئے اُس کے مکان کو حقیقی تصور کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن وہ اُسے دیکھنے والے کے مطابق اضافی خیال کرتا تھا۔ اِن پیچیدہ بحثوں کے بعد وہ شعور کی تعریف کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ شعور کا کام ایک ایسا نقطۂ نوری مہیّا کرنا ہے جو زندگی کی آگے بڑھنے والی حرکت کو منور کر سکے۔ شعور زندگی کے روحانی تنوع کا نام ہے۔ یہ مادہ نہیں بلکہ ایک تنظیمی اصول اور طریقِ عمل ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ سائنس حقیقتِ مطلقہ کے جزئی ادراک میں سرکھپاتی ہے جب کہ مذہب کلّی حقیقت کا مطالبہ کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ زمان و مکان کی اِن نہایت مشکل بحثوں میں وہ بتاتے ہیں کہ شعوری زندگی حیات فی الزمان ہے۔ اور مکانی زمان میں بسر ہونے والی زندگی غیر حقیقی زندگی ہے۔ وہ اِن بحثوں میں کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شأن اور اَنَا الدَّھر کے حوالوں سے اسلامی تصورِ زمان و مکان کی وضاحت کرتے ہیں، اور فطرت کو سُنَّتُ اللّٰہ قرار دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اِس کی نشو و نما کی کوئی حد نہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ فطرت کا علم دراصل خدا کے طریقِ عمل کا علم ہے۔ وہ مسئلۂ زمان و مکان پر مفصل بحث کرتے ہوئے آخر میں کہتے ہیں کہ وقت کے رازِ سر بستہ کو حل کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ خطبے کے اختتام پر وہ فلسفے کو پستی سے نکالنے کے لیے ذکر اور قربِ الٰہی کی ضرورت بیان کرتے ہیں، جسے مذہب کی اصطلاح میں دعا کہا جاتا ہے۔ وہ فکر و ذکر کے امتزاج پر زور دیتے ہیں۔

تیسرے خطبے ''ذاتِ الٰہیہ کا تصور اور حقیقتِ دعا'' میں وہ فرد کی تعریف اور انائے مطلق کی صفات پر بحث کرتے ہوئے سورۂ اخلاص اور سورۂ نور کا حوالہ دیتے ہوئے نورِ ایزدی کی مطلقیت کا ذکر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ارادۂ تکوین اور فعلِ آفرینش ایک ہی ہیں۔ اس طرح وہ ثابت کرتے ہیں کہ کائنات کی اصل روحانی ہے۔ پھر زمان و مکان کے بارے میں وہ ملا جلال الدین دَوّانی، عین القضاۃ الھمد انی عراقی، برگساں اور پروفیسر رائس (Royce) وغیرہ کے تصورات کا جائزہ لیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ زمانِ ایزدی زمانِ متسلسل سے بہتر ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ مذہبی واردات عقلی معیار پر پوری اترتی ہے۔ اِس واردات کی اساس ایک تخلیقی مشیئت ہے، جسے انائے مطلق کہا جا سکتا ہے۔ اور قرآن اِس انائے مطلق کی انفرادیت ظاہر کرنے کے لیے اِسے 'اللہ' کا خاص نام دیتا ہے۔ توالد کا رجحان انفرادیت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ چوں کہ انسانوں کے لیے توالد و تناسل ضروری ہے اِس لیے وہ افرادِ کامل نہیں بن سکتے۔ فردِ کامل صرف خدا ہی ہے۔ پھر وہ بتاتے ہیں کہ زمان و مکان، انائے مطلق کی تخلیقی سرگرمی کی فکری تعبیرات ہیں اور ہم انائے مطلق کے امکانات کو اپنے ریاضیاتی

زمان ومکان کی شکل میں جزوی طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔ خدا کے لیے کائنات کوئی ایسا واقعہ نہیں جو ماقبل اور مابعد پر مشتمل ہو۔ یعنی ارادۂ تخلیق اور فعلِ تخلیق دو مختلف چیزیں نہیں۔ وہ اشاعرہ کے اِس خیال کا جائزہ لیتے ہیں کہ لاتعداد جواہر مل کر مکان کی وسعت اور تخلیق کا باعث بنتے ہیں، اور جوہری اعمال کے مجموعے کا نام شے ہے۔ مکان میں سے جوہر کے گزر کو حرکت کہا جاتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اشاعرہ ابتدا اور انتہا کے درمیان واقع ہونے والے نقاط میں سے کسی چیز کے مرور کو اچھی طرح واضح نہیں کر سکے۔ وہ بتاتے ہیں کہ جوہر صفتِ حیات کے حصول کے بعد مکانی نظر آتا ہے۔ اِس کی ماہیت روحانی ہے۔ نفس عملِ خالص ہے لیکن جسم ایک دیدنی اور پیمایش پذیر عمل ہے۔ زمانِ الٰہی مرور، تغیر، تواتر اور تقسیم پذیری سے عاری ہے۔ اِس ساری بحث کے آخر میں وہ اعتراف کرتے ہیں کہ جہاں تک وقت کی ماہیت اور اصلیت کا تعلق ہے، میں کوئی قطعی اور درست بات دریافت نہیں کر سکا۔

پھر وہ خیر وشر کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ ہستی جس کی حرکات وسکنات مکمل طور پر مشین کی طرح ہوں، نیکی کے کام نہیں کر سکتی۔ نیکی کے لیے آزادی شرط ہے۔ خدا نے انسانی خودی کو آزادیِ عمل کی نعمت سے سرفراز کیا ہے۔ اِس کے بعد وہ دعا کی وضاحت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خارجی دنیا سے بے زار ہو کر باطن میں پناہ لیتے ہوئے ہستیِ مطلق کا قرب حاصل کرنا دعا ہے۔ دعا کی بدولت ہماری شخصیت کا چھوٹا سا جزیرہ ایک دم بحرِ بے کراں بن جاتا ہے۔ تلاشِ حقیقت میں فلسفہ بہت سست رفتار ہے جب کہ دعا برق خرام ہے۔

چوتھے خطبے ''خودی، جبر وقدر، حیات بعد الموت'' میں حضرت علامہ خودی کی بحث کرتے ہیں اور انسان کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کے مطالعے سے تین باتیں بالکل واضح دکھائی دیتی ہیں۔ پہلی یہ کہ انسان خدائی برگزیدہ مخلوق ہے۔ دوسری یہ کہ انسان اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود زمین پر خدا کا نائب ہے۔ تیسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ انسان آزاد شخصیت کا امین ہے جسے اُس نے خطرہ مول لے کر قبول کیا تھا۔ اِس خطبے میں وہ ماضی سے رشتہ منقطع کیے بغیر اسلامی تعلیمات کو جدید علوم کی روشنی میں بیان کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں، اور پھر خودی کی وضاحت کی طرف آجاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خودی وابستۂ مکان نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ تاج محل کے حسن و جمال کے بارے میں میرا جذبۂ تحسین آگرہ سے مسافت کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ اِسی طرح زمان بھی خارجی دنیا میں ماضی، حال اور مستقبل کی صورت اختیار کرنے کے باوجود اندرونی دنیا میں ناقابلِ تقسیم ہوتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ خلوت پسندی خودی کی یکتائی کا اظہار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شعوری تجربہ خودی کے روحانی جوہر کا صحیح سراغ نہیں دے سکتا لیکن اِس کے باوجود شعوری تجربے کی تعبیر ہی وہ شاہراہ ہے جس پر چل کر ہم خودی کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ پھر وہ بتاتے ہیں کہ نماز یا دعا دراصل خودی کا میکانیت یا جبر سے آزادی کی طرف گریز ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ تکرارِ عمل مشین کا خاصہ ہے نہ کہ انسان کا۔ اگر ہر واقعہ نیا نہیں تو ہمارے لیے زندگی میں کوئی جاذبیّت باقی نہیں رہتی۔ بقائے ذات ہمارا پیدایشی حق نہیں بلکہ ہمیں اپنی ذاتی کوششوں سے

اِسے حاصل کرنا پڑے گا۔ انسان صرف اِس کے لیے امیدوار ہے۔

پانچویں خطبے ''اسلامی ثقافت کی روح'' میں حضرت علامہ اسلامی کلچر کی روح کا ذکر کرتے ہیں، اور نبوت اور ولایت کا فرق واضح کرتے ہیں۔ ولی کا منتہائے مقصود صرف ذاتِ ربّانی سے وصال ہے لیکن نبی اِس صعود کے بعد ہدایتِ عامہ کے لیے نزول کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان کھڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے اِلہام کے سرچشمے کی بدولت عالمِ قدیم سے متعلق ہیں، لیکن اپنی اِلہامی سپرٹ کی وجہ سے عصرِ حاضر سے مربوط ہیں۔ اُن کی بدولت زندگی نے اپنی نئی سمتوں کے مناسب علوم اور نئے سرچشمے دریافت کیے۔ دراصل اسلام کا ظہور استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ وہ فقہ کو اسلام کا اصولِ حرکت قرار دیتے ہیں جو اُسے سب زمانوں کے لیے کافی بنا دیتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ قرآن کی رو سے حصولِ علم کے تین ذرائع ہیں: باطنی مشاہدہ، مطالعۂ فطرت اور تاریخ۔ وہ بتاتے ہیں کہ جس ثقافت کا نقطۂ نظر یہ ہو، زمان و مکان اُس کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابنِ خلدون نے سب سے پہلے اسلام کی ثقافتی تحریک کی روح کو شدت کے ساتھ محسوس کر کے اُسے منظّم طور پر بیان کیا ہے۔

خطبۂ ششم ''الاجتہاد فی الاسلام'' میں حضرت علامہ اسلام کے اصولِ حرکت یعنی فقہ کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ ہی کو قیادتِ عالم سزاوار ہے۔ اسلام اپنے حرکی نظریۂ حیات اور تصورِ توحید کی وجہ سے تمام زمانوں کو محیط اور بنی نوعِ انسان کی وحدت کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے، اِس لیے اسلام ہی کسی قوم کو قیادتِ اقوام کا اہل بناتا ہے۔ وہ فقہی جمود کا جائزہ لیتے ہیں اور اِس کے اسباب میں عقل پرستی کی تحریکوں، راہبانہ تصوف اور سیاسی انتشار کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ دین اور سیاست دو مختلف حقیقتیں نہیں بلکہ اسلام کی واحد حقیقت کے شُؤُن ہیں۔ وہ عقیدۂ توحید کو بنی نوعِ انسانی کی وحدت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، جو مصنوعی امتیازاتِ رنگ و نسل وغیرہ کو مٹا کر ساری انسانیت کو ملتِ واحدہ بنا سکتا ہے۔ پھر وہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس-- یعنی اَدِلّہ شرعیہ پر بحث کرتے ہیں، جن کی وجہ سے اسلام کا ہر زمانے اور کل انسانیت کے لیے منبعِ ہدایت ہونا ممکن ہے۔

آخری خطبے ''کیا مذہب کا امکان ہے؟'' میں حضرت علامہ مشرق و مغرب کی اقوام کی زبوں حالی کا تذکرہ کرتے ہوئے مذہب کو اِس تمام تشتت و افتراق سے نکلنے کا واحد ذریعہ قرار دیتے ہیں اور خودی کا نصب العین واضح کرتے ہوئے خودی کی حامل جماعت کا نائبِ حق ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور فرسودہ تصوف اور لادین اشتراکیت و قومیت کی بے سوادی اور ناکامی کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ خودی کا مقصد اثباتِ ذات قرار دیتے ہیں اور نائبِ حق جماعت کا فریضہ اور زمانی نصب العین یہ بتاتے ہیں کہ وہ خدا کی وحدانیت و حاکمیت کی ترجُمانی کرتی رہے۔

پروفیسر خالد شبیر احمد
سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام

جامع مسجد احرار چناب نگر میں، سابق قادیانی لیڈر
شیخ راحیل احمد کی ایمان افروز باتیں

جناب عبد اللطیف خالد چیمہ ہماری جماعت میں بڑی صلاحیتوں کے مالک ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار صلاحیتوں سے نوزا ہے اور انہوں نے ان خداداد صلاحیتوں کو جماعت کے لیے بے دریغ استعمال کر کے جہاں ہماری جماعت کو استحکام سے ہمکنار کیا ہے۔ وہیں آخرت کے لیے بھی بہت کچھ اکٹھا کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں مزید جماعت کی خدمت کا حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین

شیخ راحیل احمد کو سب سے پہلے انہوں نے ہی پاکستان میں متعارف کرایا تھا جب شیخ صاحب نے جرمنی میں قادیانیت کو خیر باد کہہ کر اسلام قبول کیا۔ تو ہماری جماعت میں سے چیمہ صاحب ہی نے ان کے ساتھ رابطہ قائم کیا تھا۔ انہیں مبارک اور سلامتی کے اس اقدام پر مجلس احرار اسلام کی طرف سے مبارکباد پیش کی۔ اور ہر ممکن تعاون کا یقین دلا کر ان کی ان لمحات میں حوصلہ افزائی کی جس کی شیخ راحیل احمد کو اس وقت اشد ضرورت تھی ۔ ویسے بھی یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے جماعت احرار کے لیے ہی مخصوص کر دیا ہے کہ جب بھی کوئی نامور قادیانی مسلمان ہوتا ہے اور اسے قادیانیوں کی جانب سے مختلف نوعیت کے خطرات کا سامنا ہوتا ہے۔ تو مجلس احرار اسلام ہی آگے بڑھ کر اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اس کے تحفظ کا ہر ممکن اہتمام کرتی ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاصا کرم ہے جس پر مجلس احرار اسلام کا ہر کارکن اس کا شکر ادا کرتے ہوئے فخر بھی محسوس کرتا ہے اور عجز و انکساری سے اسکی بارگاہ میں سر بھی جھکا دیتا ہے عبدالکریم مباہلہ نے قادیان میں جب اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تھا تو کونسی ابتلا نہیں کہ جس میں اسے مبتلا کرنے کی قادیانیوں نے کوشش نہیں کی تھی۔ اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، وہ بچ گیا، اور اس کی جگہ اس کا ہم شکل مستری محمد حسین شہید ہوا۔ اس کے مکان کو آگ لگا دی گئی، احرار رضا کاروں نے دن رات ایک کر کے اسے ہر ممکن امداد مہیا کی ۔ اسی طرح مولانا لال حسین اخترؒ کو بھی اسلام قبول کرنے پر جب قادیانیوں کی طرف سے قتل کی دھمکیاں موصول ہوئیں تو مجلس احرار اسلام کے کارکن ہی ان کے تحفظ کے لیے آگے بڑھے اور ان کی ہر ممکن مدد کر کے قادیانیوں کے ناپاک عزائم کو ناکام بنا دیا تھا۔ اسکے بعد ابو سیف مولانا عتیق الرحمان تائب نے اسلام قبول کیا تو قادیان کے اندر احرار رضا کاروں کی مدد سے ہی انہیں ہر ممکن تحفظ حاصل ہوا تھا۔ اس طرح پروفیسر عطاء اللہ اعوان نے جب اسلام قبول کیا تو انہیں بھی امیر شریعت علیہ الرحمتہ نے ہر طرح کی مدد مہیا کی اور انہیں ختم نبوت کے دفتر میں لا کر بٹھا دیا جہاں انہوں نے اپنا تعلیمی

سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر اردو میں ایم اے کر کے پروفیسر بنے اور ایس ای کالج بہاولپور سے ریٹائر ہوئے۔ غرض یہ کہ ایسے بیسیوں واقعات ہیں۔ یہ چند باتیں پس منظر کے طور پر بیان کر دی گئی ہیں تا کہ اصل بات اجاگر ہو سکے۔ موضوع تو شیخ راحیل احمد کی ان باتوں کا ہے جو ہم نے ان کی زبان سے سنیں اور جس سے ہمارا ایمان تازہ ہو گیا۔ شیخ راحیل احمد پاکستان تشریف لائے تو لاہور کی ائیر پورٹ پر ان کا استقبال کیا گیا۔ مجلس احرار اسلام کی طرف سے عبداللطیف خالد چیمہ، سید محمد کفیل بخاری، محمد ارسلان، محمد معاویہ رضوان اور دوسرے کئی احرار ساتھی استقبال کرنے والوں میں موجود تھے۔ لاہور میں مرکزی دفتر احرار اسلام میں ایک سادہ مگر پُر شکوہ تقریب میں جناب شیخ راحیل احمد صاحب کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ اس تقریب میں شمولیت سے میں محروم رہا' مجھے اُنہیں دیکھنے اور سننے کا شرف چناب نگر احرار مرکز میں ہوا۔ مجلس احرار اسلام چناب نگر کی جانب سے انہیں خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے یہ تقریب منعقد کی گئی تھی۔ نمازِ جمعہ سے پہلے جناب عبداللطیف خالد چیمہ اور اس کے بعد میں نے چند باتیں ان کی خدمت میں عرض کیں۔ جس کے بعد انہوں نے حاضرین کی ایک بہت بڑی تعداد جو مسجد احرار میں جمع ہو گئی تھی' کو خطاب کیا۔

انہوں نے کہا کہ میں نے قادیانیت کو ردِ قادیانیت کا لٹریچر پڑھ کر نہیں چھوڑا' بلکہ قادیانیت کا لٹریچر پڑھ کر چھوڑا ہے انہوں نے برملا کہا کہ قادیانی لٹریچر میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک سلیم الفطرت انسان کو قادیانیت سے متنفر کرنے کے لیے کافی ہے شرط یہ ہے کہ انسان ''کومن سنس'' اور اپنے ضمیر کے صاف اور شفاف آئینے کو سامنے رکھ کر پڑھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کو جب بغور پڑھا تو میرے دل سے ایک آواز اٹھی کہ اتنی گھناونی تحریر ایک نبی تو نہیں لکھ سکتا۔ اور میرے دماغ نے میرے دل کی آواز کی تصدیق کر دی۔ جیسے جیسے میں نے قادیانی کتابوں کا مطالعہ کیا میں قادیانیت سے متنفر ہوتا گیا اور آخر ایک دن میں نے یہ مکمل ارادہ کر لیا کہ اس مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات میرے اعلان اسلام سے تقریباً سات سال پہلے کی ہے۔ سات سال تک میں اس بات کی کوشش میں مصروف رہا کہ میں اپنے اہل وعیال کو کس طرح اس بات کا قائل کروں کہ وہ بھی میرے ساتھ مسلمان ہو جائیں۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی اور بشیر الدین محمود کی کتابوں سے کئی ایسے حوالے پیش کئے جنہوں نے انہیں قادیانیت چھوڑنے پر مجبور کیا۔ سات سال کا عرصہ انہوں نے کہا کہ میرے لیے بڑا صبر آزما عرصہ تھا۔ جو میں نے اپنے بچوں، اپنے داماد اور اپنے نواسے کو قادیانیت سے توڑ کر اسلام کے ساتھ جوڑنے میں صرف کیا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میری بیوی مسلمان ہونے پر آمادہ نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ جس دن میں نے اعلان اسلام اور مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا تو اس سے ایک دن پہلے یعنی شام کے وقت میری بیوی نے مجھے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ ''تم اگر مرتد ہونا چاہتے ہو تو شوق سے ہو جاؤ میں تو اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گی۔'' اس فقرے سے مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ کیونکہ میں چاہتا تھا کہ میرا سارا کنبہ جس کو میں نے بڑی محنت سے بنایا اور سنوارا تھا' وہ خراب نہ ہو اور میری بیوی بھی میرے ساتھ مسلمان ہو جائے۔ اس لیے بھی کہ وہ میرے دکھ سکھ کی ساتھی تھی اور بطور بیوی مجھے اس سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں تھی۔ اس صدمے کے باوجود میرے حوصلے اور میرے عزم میں کوئی فرق نہ آیا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اس کے بغیر

بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔

ہوا کیا کہ عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے جب میری بیوی جائے نماز پر گئی تو نماز سے فراغت کے بعد اس نے رونا شروع کر دیا۔ اور تقریباً دو ڈھائی گھنٹے روتی رہی اس دوران میں اپنی بچیوں کو اس کے پاس بھیجتا رہا اور ایک دو بار خود بھی اس کے پاس گیا۔ رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کسی قسم کا کوئی جواب دینے سے صریحاً انکار کر دیا۔ ڈھائی گھنٹے تک رونے کے بعد جب وہ نڈھال ہو گئی تو وہیں پر سو گئی۔ میں نے اپنی ایک بیٹی سے کہا کہ جاؤ ماں کے سر کے نیچے سرہانہ رکھ دو اور اوپر ایک چادر دے دو۔ جس کے بعد ہم بھی آرام سے سو گئے۔ صبح ہوئی تو ہم سب نے مسلمان ہونے کے لیے غسل کیا۔ نئے کپڑے پہن کر تیار ہونے لگے۔ جب ہم تیار ہو رہے تھے تو میں نے ایک بار پھر اپنی بیوی سے پوچھا کہ ہم تو مسلمان ہونے جا رہے ہیں اور کہا کہ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ میں یہ بات سن کر حیران و ششدر رہ گیا جب میری بیوی نے مجھے جواب میں کہا کہ تم اکیلے نہیں جاؤ گے، میں بھی تمہارے ساتھ مسلمان ہونے کے لیے جاؤں گی۔ میں نے انتہائی غیر متوقع جواب سنا تو میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو اُمڈ آئے میں نے کہا کہ آخر اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے، کہنے لگی اب اس وقت نہیں بتاؤں گی جب مسلمان ہو کر آئیں گے تو پھر بتاؤں گی۔ میں نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اللہ نے میری سن لی اور پورے کا پورا کنبہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ خیر جب ہم ایک دوست کی وساطت سے ایک مسجد میں جا کر اسلام قبول کر کے اسلام میں داخل ہو گئے تو واپسی پر ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ ہم نے گھر میں آ کر مٹھائی تقسیم کی۔ ماحول انتہائی پاکیزہ محسوس ہونے لگا۔ دل بار بار گواہی دے رہا تھا کہ تم اب راہِ راست پر آ گئے ہو اور تمہاری عاقبت سنور گئی ہے۔ میں اس بابرکت ماحول سے لطف اندوز ہو رہا تھا لیکن اس بات کا اشتیاق بھی رہ رہ کر میرے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا کہ بیوی سے پوچھوں آخر شام سات بجے تک ہمیں مرتد کہنے والی خود دین اسلام قبول کرنے پر کیسے تیار ہو گئی؟ چنانچہ میں نے اس سے پوچھا تو اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے اپنا ایک خواب بیان کیا:

''جب میں روتے روتے سو گئی تو میں نے خواب میں کیا دیکھا کہ آپ میرے ساتھ ہیں اور ہم ایک کچی سی چھت جو کہ انتہائی بھدی شکستہ اور ٹوٹی پھوٹی سی ہے اس کے نیچے ہیں۔ میں نے تم سے کہا کہ دیکھا کتنی بھدی سی چھت ہے اسے لپیٹ نہ دیا جائے۔ میں نے اس چھت کو اس طرح لپیٹنا شروع کیا کہ جیسے بچھی ہوئی صف کو کوئی لپیٹتا ہے۔ جیسے جیسے میں اس چھت کو لپیٹتی گئی نیچے سے چمکتی چاندنی کی طرح روشن اور سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی ایک خوبصورت چھت اس کی جگہ لیتی گئی اور میں خوش ہو کر تم سے کہنے لگی دیکھو اصل چھت تو یہ ہے ہم تو بڑی بھدی چھت کے نیچے رہ رہے تھے۔ اب ہم اس روشن خوبصورت اور چاندنی کی طرح چمکتی ہوئی چھت کے نیچے رہیں گے۔ اس خواب نے میرے دل و دماغ کی تمام الجھنوں کو ختم کر کے رکھ دیا اور میں بھی مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو گئی۔ کیونکہ خواب میں وہ سب کچھ بتا دیا گیا جو میرے دل و دماغ میں نہیں آ رہا تھا۔''

شیخ راحیل احمد نے کہا کہ اب میری بیوی مجھ سے زیادہ مضبوط ہے۔ جب مختلف اطراف سے ہمارے رشتے داروں نے ہم پر دباؤ ڈالنا شروع کیا، تو ان کو جواب میں جو کچھ میری بیوی نے کہا ہے وہ میں بھی نہیں کہہ سکا۔ اس نے ہر رشتہ دار کو ایک

بات ہی کہی ہے کہ اگر کسی نے ہمیں دوبارہ قادیانی ہونے کے لیے کہا تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گی۔ شیخ راحیل احمد جب یہ سب کچھ بیان کرر ہے تھے تو ہم سننے والوں کی بھی عجیب وغریب حالت تھی۔ آنکھوں میں آنسو' دل کی دھڑکن تیز' ایمان کی کیفیت میں تازگی کا احساس اور ہر سننے والے کے چہرے سے خوشی عیاں تھی' اور لوگ بار بار صداقتِ اسلام کے حق میں اور قادیانیت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ قادیانیت کے خلاف کام کرنے والی ہر جماعت کو میری طرف سے ایک اپیل ہے کہ قادیانیت کا محاسبہ مثبت اور حسن اخلاق سے کیا جائے۔ اشتعال انگیزی کو یہ لوگ ایکسپلائیٹ کر کے کئی فوائد حاصل کرتے ہیں۔ اس محاسبے میں حضور اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری امر ہے۔ اس تقریر کے بعد مجلس احرار اسلام کے امیر ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری نے اپنے مخصوص انداز میں شیخ راحیل احمد کو مبارک باد پیش کی، ان کے اس اقدام کو سراہا اور مجلس احرار اسلام کی طرف سے ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔

نماز جمعہ کے بعد ہم ایک کمرے میں پھر اکٹھے ہوئے تو میں نے شیخ راحیل احمد کی خدمت میں اپنی تازہ تصنیف ''اقبال اور قادیانیت'' پیش کی جسے انہوں نے یہ کہتے ہوئے قبول فرمایا کہ جن کتابوں کو میں خریدنا چاہتا تھا اس میں یہ آپ کی کتاب بھی شامل تھی۔ اس کتاب سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد جامع مسجد احرار کے خطیب مولانا محمد مغیرہ نے چناب نگر کے قادیانی حضرات کی طرف سے اٹھائے گئے چند سوالات کئے جس کا انہوں نے بڑی اچھی طرح سے جواب دیا۔ مثلاً انہوں نے کہا کہ یہاں کے قادیانی کہتے ہیں کہ اس آدمی کی جماعت احمدیہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اس کے جواب میں شیخ راحیل احمد نے کہا کہ قادیانیت کی پوری زندگی میں میری کوئی ایک درخواست ایسی نہیں ہے جس میں میں نے اپنے خلیفہ کو ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہو، لیکن مرزا طاہر احمد کے دو خطوط اس وقت بھی میرے پاس موجود ہیں جس میں اس نے مجھے ملنے کے لیے کہا۔ اس سے میری اہمیت واضح ہوتی ہے۔ میں قادیانیوں کی مرکزی شوریٰ کے چند آدمیوں میں سے ایک ہوں۔

مولانا محمد مغیرہ نے کہا کہ چناب نگر کے قادیانی یہ بھی کہہ رہے ہیں کے اس قسم کے جاسوس ہم آپ کی طرف بھیجتے رہتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس کے جواب میں شیخ راحیل احمد نے کہا کہ اگر جاسوسی کی نیت سے بظاہر مسلمان ہونا مقصود تھا تو میں اپنے پورے کنبے کے ساتھ مسلمان نہ ہوتا۔ جاسوسی کے لیے تو ضروری تھا کہ میں اکیلا ہی مسلمان ہوتا اور میرے مسلمان ہونے کی ایک بین دلیل یہ ہے کہ میں نے اگست ۲۰۰۳ء میں اسلام قبول کیا جس کے بعد میں نے اپنی دو بچیوں کا نکاح مسلمانوں سے پڑھایا اور وہ مسلمان خاوندوں کے ساتھ اپنے گھروں میں آباد ہیں۔

پھر مولانا نے کہا کہ یہاں چناب نگر کے قادیانی یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ختم نبوت اور احرار والوں نے پیسے دے کر اسے اپنی طرف بلا لیا ہے اور اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اس کے جواب میں شیخ راحیل احمد نے کہا کہ ان سے کہو کہ جتنے پیسے مجھے ملے ہیں' اس سے دگنے پیسے ان کو دینے کے لیے تیار ہوں' وہ بھی مسلمان ہو جائیں۔

ادارہ

اخبار الاحرار

مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں

مرزا قادیانی کی تعلیمات سے متنفر ہو کر مسلمان ہوا ہوں: شیخ راحیل احمد

مرزا قادیانی اپنی تحریرات اور تعلیمات کی رو سے پہلے دن سے دائرہ اسلام سے خارج تھا

جامع مسجد احرار چناب نگر میں اجتماع سے سید عطاء المہیمن بخاری و دیگر علماء کا خطاب

چناب نگر (یکم اکتوبر) جرمنی کے سابق قادیانی لیڈر شیخ راحیل احمد' جو ان دنوں پاکستان کے دورے پر ہیں' نے جامع مسجد احرار چناب نگر میں بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں ردّ قادیانیت پر مبنی لٹریچر پڑھ کر نہیں بلکہ مرزا قادیانی کی تعلیمات سے متنفر ہو کر مسلمان ہوا ہوں۔ قادیانی اگر مرزا قادیانی کی تعلیمات کا بغور جائزہ لیں تو وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ نبی تو بہت دور کی بات ہے' مرزا قادیانی شریف انسان کہلانے کا بھی حق دار نہیں۔ نماز جمعۃ المبارک سے قبل منعقد ہونے والے اجتماع سے قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری، پروفیسر خالد شبیر احمد، عبداللطیف خالد چیمہ اور مولانا محمد مغیرہ نے بھی خطاب کیا۔ شیخ راحیل احمد نے کہا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا ہے کہ میں کفر و گمراہی اور ارتداد کی وادی سے نکل کر محمد عربی ﷺ کی غلامی میں آ گیا ہوں۔ مجلس احرار اسلام، دیگر دینی جماعتوں اور تمام مسلمانوں نے مجھے جو عزت دی ہے میں اس کے شکریے کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تحریرات اور تعلیمات کی رو سے پہلے دن سے دائرہ اسلام سے خارج تھا۔ انہوں نے قادیانیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں کل تک تمہاری مشینری کا پرزہ رہا ہوں۔ میں اندر کی ساری باتیں خوب جانتا ہوں۔ مجھے قادیانیوں سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں۔ میں سمجھتا ہوں قادیانیت ایک دھوکے کا نام ہے اور جو بھی دھوکے کے اس حصار اور چندے کے دھندے کے فراڈ سے نجات حاصل کرے گا وہ نجات پا جائے گا۔ شیخ راحیل احمد نے کہا کہ مرزا قادیانی اپنے ہی دعوے کے مطابق انگریز کا خود کاشتہ پودا ہے۔ اب بھی قادیانی جماعت یہود و نصاریٰ کے اسلام کش عزائم کی تکمیل کے لیے کام کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا اسلام اور قادیانیت آپس میں متصادم ہیں۔ قادیانی جماعت سود کو حلال قرار دیتی ہے۔ قادیانی جماعت میں نہ کسی کا مال محفوظ ہے اور نہ ہی عزت۔ یہ لوگ عزتوں کے سوداگر ہیں اور مال اکٹھا کرنے کے لیے نت نئے حربے اور قانون لاگو کر کے قادیانیوں کا بھی استحصال کر رہے ہیں۔ انہوں نے دینی رہنماؤں سے دردمندانہ اپیل کی کہ وہ قادیانیوں کو دعوت اسلام حکمت و دانائی سے دیں اور ایسے

اقدامات نہ کریں جن سے بیرون ممالک قادیانی الٹافائدہ اٹھائیں۔انہوں نے شہداء ختم نبوت اور قائدین تحریک ختم نبوت کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے انہیں اسلام کا ہراول دستہ قرار دیا اور ان کی جدوجہد کو ہدیہ تبریک پیش کیا۔قبل ازیں شیخ راحیل احمد جب مسجد احرار پہنچے تو ان کا والہانہ استقبال کیا گیا اور فضا نعروں سے گونج اٹھی۔دریں اثناء جامع مسجد احرار میں سالانہ مجلس قرأت ونعت منعقد ہوئی، جس میں ملک بھر سے قراء کرام اور نعت خواں حضرات نے شرکت کی۔

حکومت الٰہیہ کا قیام ہماری منزل ہے: مجلس احرار اسلام کراچی

کراچی (۵/اکتوبر) مجلس احرار اسلام کراچی کے ناظم مولانا احتشام الحق احرار نے کہا ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کا قیام ہماری منزل ہے۔اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں ہے۔جمہوری نظام میں انسان قانون سازی کرتے ہیں۔اللہ کو ماننے والوں اور کافر و مرتد لوگوں کی ووٹنگ پاور ایک ہے۔جس سے دنیا میں جہالت وگمراہی پھیل رہی ہے۔جبر واستبداد کے ہاتھوں انسانی معاشرہ تباہی اور بربادی کی طرف رواں دواں ہے۔مسلم ممالک میں کرپشن کو طاقت کے زور پر رواج دیا جارہا ہے۔جھوٹ،منافقت اور قومی دولت کولوٹنے والے جمہوری عمل کے ذریعے اقتدار پر براجمان ہیں۔گریجویٹ ممبران اسمبلی آئینی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں۔مدارس اور مساجد سمیت علماء کرام امریکہ کے اشارے پر مجرم بنادیئے گئے ہیں۔

علماء کرام کی شہادت اسلام اور ملک دشمن قوتوں کی سازش کا نتیجہ ہے: سید محمد کفیل بخاری

کراچی (۱۲/اکتوبر) مجلس احرار اسلام کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی کی شہادت اسلام اور ملک دشمن قوتوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔ایک ایک کر کے علماء کو راستے سے ہٹایا جارہا ہے۔عالمی دہشت گرد اور سامراج عالم اسلام کی متحرک شخصیتوں کو قتل کر کے مسلمانوں کو قیادت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ان خیالات کا اظہار انہوں نے مفتی محمد جمیل خان شہید کے پسماندگان سے تعزیت کرتے ہوئے کیا۔سید محمد کفیل بخاری نے اقراء روضۃ الاطفال ہیڈ آفس ضیاء الدین میں منعقدہ تعزیتی پروگرام میں شرکت کی۔اس سے قبل مفتی محمد جمیل شہید کے گھر تشریف لے گئے اور مفتی محمد شافی اور ریان سے تعزیت کی۔دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں بھی جا کر اظہار تعزیت کیا۔مجلس احرار اسلام کراچی کے امیر شفیع الرحمٰن اور ناظم مولانا احتشام الحق معاویہ آپ کے ہمراہ تھے۔سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ ملک میں امن وامان کی حالت انتہائی مخدوش ہے۔سانحہ سیالکوٹ اور سانحہ ملتان کے بعد کراچی میں علماء کی شہادت حکومت کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔انہوں نے کہا کہ یہود ونصاریٰ اور ان کے ایجنٹ دہشت گردی کی ایسی کارروائیوں کے ذریعے دینی قوتوں کو خوفزدہ کر کے ان کے گرد گھیرا مزید تنگ کرنا چاہتے ہیں اور اسی آڑ میں علماء اور دینی جماعتوں کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔

سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ حکمران دینی رہنماؤں اور جماعتوں کے خلاف جو اقدامات کررہے ہیں، وہ عالمی

سامراج کے ایجنڈے کی تکمیل ہے۔انہوں نے کہا کہ ہمارے حوصلے بلند ہیں۔ہماری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا بدلہ ضرور دیں گے۔انہوں نے کہا کہ حکمرانوں نے پہلے کبھی انصاف کیا ہے نہ آئندہ ان سے انصاف کی توقع ہے۔ہمیں اپنے لیے خود انصاف اور حفاظت کی راہیں سوچنی ہوں گی۔انہوں نے کہا کہ دشمن عیار ہے، حالات پریشان کن ہیں اور قوم مایوس ہے، عوام جبر کے ماحول میں سانس لے رہے ہیں۔یہ تمام حالات یہود و نصاریٰ اور ان کے کارندوں نے وطن عزیز میں پیدا کیے ہیں۔سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ تمام مدارس، دینی جماعتیں اور علماء مل بیٹھ کر غور و فکر کریں اور مستقبل میں اپنے تعمیری اور پائیدار کردار کے لیے منظم منصوبہ بندی کریں محض جذباتی اور ہنگامی بنیادوں پر سوچنا اور کام کرنا انتہائی نقصان دہ ہے۔قبل ازیں انہوں نے جامعہ بنوریہ کے مہتمم مفتی محمد نعیم صاحب سے ملاقات میں مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔

سید محمد کفیل بخاری نے ہفت روزہ ''اخبار المدارس'' کی صحافتی خدمات کو سراہا اور کہا کہ ''اخبار المدارس'' کا اجراء ایک خوش آئند اقدام ہے۔انہوں نے کہا کہ جناب مفتی محمد نعیم کی ادارت میں ''اخبار المدارس'' نے دینی مدارس کے چالیس ہزار طلبہ کے مسائل اور ان کے حقوق سے متعلق دبی ہوئی آواز کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔نیز مدارس کے علماء اور طلباء کرام کو صحافتی میدان میں اپنی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کا موقع فراہم کیا ہے۔مجلس احرار اسلام کراچی کے رہنما شفیع الرحمٰن احرار اور مولانا احتشام الحق معاویہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔

سالانہ جلسہ و تقریب تقسیم اسناد، دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی

چیچہ وطنی (رپورٹ: حکیم محمد قاسم۔۷/ اکتوبر) مجددِ احرار جانشین امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاری نور اللہ مرقدہ نے ۷۱۔۱۹۷۰ء سے لے کر تادم صحت جن نوجوانوں کی تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی، جناب عبداللطیف خالد چیمہ ان میں سرفہرست ہیں۔بڑے شاہ جی مرحوم نے مجلس احرار اسلام کی دعوت اور اس کے ابلاغ کے لیے ''اپنی جگہ پر اپنی بات'' کی بنیاد پر کارکنوں میں احساس ذمہ داری پیدا کیا۔محسن احرار مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ذمہ داری کی تکمیل کرتے ہوئے مدارس و دفاتر کے قیام و استحکام کے لیے خصوصی عملی جدوجہد کی۔نتیجتاً ۱۹۸۵ء میں جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے حضرت پیر جی عبدالعلیم شہید رحمہ اللہ کی زیر سرپرستی اور مجددِ جہاد مولانا مسعود احمد کشمیری شہید رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں سے جامع مسجد بلاک ۱۲ چیچہ وطنی میں ۱۹۷۶ء سے قائم دفتر احرار سے متصل دارالعلوم ختم نبوت کا آغاز و اجراء کیا۔

ابتداً ناظرہ تعلیم قرآن اور درجہ کتب کا اجراء کیا گیا۔بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر درجہ کتب موقوف ہو گیا۔جبکہ درجہ حفظ کی ابتدا تقریباً ۱۹۸۹ء میں ہوئی۔تب فدائے قرآن حضرت قاری محمد قاسم صاحب کو مدرس مقرر کیا گیا۔ابتدا میں مدرسہ کی عمارت کرایہ پر تھی۔اب الحمد للہ مدرسہ سے متصل مکان خرید کر شامل کر لیا گیا ہے، جہاں اس وقت احرار لائبریری، مہمان خانہ، سٹور بنایا گیا ہے۔دارالعلوم ختم نبوت کی ایک شاخ ہاؤسنگ کالونی میں احرار ختم نبوت سنٹر کے نام سے قائم ہے۔جس کا سنگ بنیاد خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم نے اپنے دست حق پرست سے رکھا تھا۔یہاں بھی حفظ

قرآن کی تعلیم شروع ہو چکی ہے۔

دارالعلوم ختم نبوت سے ہر سال کئی طالب علم حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہو کر زندگی کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ہر سال شعبان کے مہینہ میں تقریب تکمیل قرآن منعقد ہوا کرتی تھی، جس میں طلبا کی دستار بندی کی جاتی تھی۔ چند ماہ قبل مدرسہ کے منتظم اعلیٰ جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے یہ نقطہ اٹھایا کہ اس سال تقریب کے موقع پر گزشتہ بیس برسوں میں جتنے طلباء قرآن حفظ کر کے فارغ ہوئے اُن سب کو بلا کر اسناد دی جائیں۔ تقریب کو کامیاب بنانے کے لیے گزشتہ دو ماہ کے دوران چار اجلاس ہوئے اور مختلف امور پر مشورے کے بعد ۷/اکتوبر ۲۰۰۴ء بروز جمعرات تقریب تقسیم اسناد و جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا جبکہ حکیم محمد قاسم کو تقریب کا نگران مقرر کیا گیا۔ سابق طلبا کے پتے تلاش کر کے دعوت نامے ارسال کئے گئے۔ مدرسہ کے ریکارڈ میں طلباء کے پتے موجود نہ تھے لیکن حضرت استاد محترم قاری محمد قاسم صاحب کی شدید تگ و دو کے بعد تقریباً ۱۰۰ سے زیادہ طلباء کے پتے ملے اور ان کو دعوت نامے ارسال کئے گئے۔ ''نقیبِ ختم نبوت'' میں اشتہار دیا گیا اور تمام طلباء کو ۶/اکتوبر کی شام حاضری کے لیے پابند کیا گیا۔ ۷/اکتوبر جمعرات کے تمام دن کا شیڈول واضح جگہ پر آویزاں کیا گیا۔ نماز فجر کے بعد مولانا عابد مسعود صاحب کا درس قرآن ہوا۔ ۸ بجے تمام طلباء کو ناشتہ پیش کیا گیا۔ ساڑھے نو بجے دوسری نشست حضرت قاری محمد قاسم کی زیر صدارت شروع ہوئی۔ تلاوت و نعت کے بعد حکیم محمد قاسم نے اس تقریب کی غرض و غایت بیان کی۔ اس کے بعد حضرت قاری محمد قاسم کے شاگرد رشید مولوی محمد عمران کا اصلاحی و تبلیغی بیان ہوا۔ تمام طلباء کا آپس میں تعارف ہوا اور بطور ریکارڈ ایک رجسٹر پر ان کے پتا جات اور مصروفیات نوٹ کی گئیں۔ یہ نشست ۱۲ بجے تک جاری رہی۔ اس کے بعد طعام و آرام کا وقفہ ہوا۔ بعد نماز ظہر تیسری نشست جناب عبداللطیف خالد چیمہ کی زیر صدارت شروع ہوئی۔ تلاوت و نعت کے بعد جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے ''عصر حاضر میں ہماری ذمہ داریاں'' کے موضوع پر نہایت اہم گفتگو فرمائی۔ مجلس احرار اسلام کی دعوت اور پیغام کے حوالے سے پُر مغز بیان فرمایا۔ اسی اثناء میں امیر مجلس احرار اسلام ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ تشریف لے آئے۔ آپ کا اصلاحی بیان ٹھیک ساڑھے تین بجے شروع ہوا اور عصر کی اذان سے متصل ختم ہوا۔ بعد نماز مغرب وقفہ طعام ہوا اور تمام طلباء نے نمازِ عشاء مرکزی مسجد عثمانیہ میں ادا کی اور آخری نشست کا آغاز ہوا۔ نقابت کی ذمہ داری حکیم محمد قاسم نے سنبھالی۔ حافظ محمد عبداللہ آف جلہ ارائیں نے تلاوت کی۔ حافظ حسان معاویہ اور یوسف فاروقی نے نعت پڑھی۔ مولانا عابد مسعود نے جلسہ اور تقریب کا پس منظر بیان کیا۔ جناب عبداللطیف خالد چیمہ، مولانا محمد ارشاد اور حضرت پیر جی کا مفصل بیان ہوا۔ حضرت پیر جی کے بیان سے قبل دستار بندی و تقسیم اسناد کا مرحلہ طے ہوا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد نذیر، استاذ العلماء مولانا محمد ارشاد نے اپنے دست شفقت سے تمام طلباء کی دستار بندی کی۔ حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ نے اپنے دست حق پرست سے اسناد تقسیم کیں۔ جلسہ شیخ الحدیث مولانا محمد نذیر کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

دارالعلوم ختم نبوت کے سابق فضلاء تقریباً ۱۰۸ ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا تعارف درج ذیل ہے۔ یہ وہ طالب علم ہیں جنہوں نے حفظ قرآن کریم دارالعلوم سے مکمل کیا۔

☆ مولانا محمد عمران (عالم دین۔ امیر تبلیغی مرکز، سیالکوٹ) ☆ مولانا محمد عابد مسعود (فاضل جامعہ اشرفیہ۔ مدرس مرکزی مسجد عثمانیہ، چیچہ وطنی) ☆ مولانا احمد معاویہ (فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان، مدیر ''خواتین کا اسلام'' کراچی) ☆ قاری محمد سلیم (مدرس جامع مسجد ولی محمد، ہڑپہ) ☆ قاری عبدالرشید (مدرس، جلہ ارائیں) ☆ مولوی مقبول احمد (فاضل جامعہ اشرفیہ) ☆ مولوی عبدالحفیظ (فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان۔ مدرس پیر محل) ☆ مولوی شبیر حسین (متعلم جامعہ خیر المدارس، ملتان) ☆ مولوی محمد آصف (متعلم جامعہ بنوریہ، کراچی) ☆ مولوی محمد اعظم (متعلم جامعۃ الرشید، کراچی) ☆ مولوی محمد عدنان اسلم (متعلم تبلیغی مرکز رائے ونڈ) ☆ قاری ضیاء الرحمٰن (مدرس احرار ختم نبوت سنٹر، چیچہ وطنی) ☆ قاری شوکت علی (مدرس مدرسہ فیض القرآن ٹوبہ ٹیک سنگھ) ☆ حافظ محمد عثمان جوئیہ ایڈووکیٹ (بی اے ایل ایل بی، چیچہ وطنی) ☆ حافظ محمد بلال (ایم بی اے) ☆ حافظ حکیم محمد قاسم (فاضل طب والجراحت طبیہ کالج لاہور)

چند سابق طلباء کے تاثرات

''حضرت قاری محمد قاسم صاحب بہت ہی شفیق استاد ہیں۔ ان ہی کی دعاؤں سے آج ہم دین اسلام کا علم حاصل کر سکے ہیں۔ ہم نے اسی مدرسہ سے بنیادی تعلیم حاصل کی۔ میں اساتذہ کا شکر گزار ہوں کہ ہمیں مادر علمی میں دعوت دی اور ہم اساتذہ کی زیارت سے مستفید ہوئے۔'' (مولانا محمد عمران، سیالکوٹ)

''ہمیں اس مدرسہ سے صحیح رہنمائی ملی اور اساتذہ کی مہربانی اور شفقت سے ہم آج دین کا کام کر رہے ہیں۔''

(حافظ محمد بلال، ڈسکہ)

''یہ پروگرام ان شاء اللہ انقلاب کا سنگ میل ثابت ہوگا۔ جناب عبداللطیف خالد چیمہ کی زیر نگرانی مدرسہ مزید ترقی کے درجات طے کرے گا۔'' (مولوی محمد آصف سلیم)

''ہمیں زندگی بھر توقع نہ تھی کہ ایک دفعہ ہم پھر طالب علم ساتھیوں سے ملاقات کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ مدرسہ کے منتظمین کی عمر اور عمل میں برکت عطاء فرمائے۔ ایسے پروگرام آئندہ بھی ہوتے رہنے چاہئیں۔'' (قاری ضیاء الرحمٰن، پاکپتن)

جامعہ بستانِ عائشہؓ دارِ بنی ہاشم کے امتحانات

جامعہ بستانِ عائشہؓ دارِ بنی ہاشم ملتان میں اس سال درجہ عامہ سے لے کر عالمیہ تک کی طالبات نے وفاق المدارس العربیہ کے تحت امتحان دیا ہے۔ طالبات کی تعداد درج ذیل ہے:

درجہ عامہ: ۲۱ | درجہ خاصہ: ۱۴ | درجہ عالیہ: ۱۵ | درجہ عالمیہ: ۱۴ | کل طالبات: ۶۴

درجہ ناظرہ قرآن کریم:۵۲ درجہ حفظ قرآن کریم:۴۱ کل طالبات:۹۳

ترجمہ ودورۂ تفسیر قرآن کریم کی طالبات:۲۲ (اس درجہ میں سکول وکالج کی طالبات کے علاوہ گھریلو خواتین بھی شامل ہیں)

شعبہ پرائمری میں ۱۵۰ بچیاں زیر تعلیم ہیں۔اس شعبہ کی ہر جماعت کو باقاعدہ ایک ایک گھنٹہ قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نماز اور مسنون دعائیں یاد کرائی جاتی ہیں۔ ہر صبح بچیاں اجتماعی طور پر مسنون دعائیں باآوازِ بلند پڑھ کر مدرسہ کا آغاز کرتی ہیں۔

جامعہ بستانِ عائشہ کا سالانہ اجتماع ۱۹رجب ۱۴۲۵ھ مطابق ۵رستمبر ۲۰۰۴ء بروز اتوار منعقد ہوا۔اس موقع پر بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس بھی ہوا اور طالبات ومعلمات کے اصلاحی وتربیتی بیانات ہوئے۔آخر میں مدرسہ معمورہ کے ناظم اعلیٰ سید محمد کفیل بخاری نے ''علم دین کی اہمیت وضرورت'' کے عنوان پر خطاب کیا۔

مدرسہ معمورہ ملتان کے امتحانات

ملتان (رپورٹ: حافظ نوید احمد۔۱۹رستمبر) مدرسہ معمورہ ملتان کے شعبہ کتب کے امتحانات ۳رشعبان المعظم ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۹رستمبر ۲۰۰۴ء بروز اتوار منعقد ہوئے۔ ممتحن جامع مسجد احرار چناب نگر کے خطیب اور مبلغ احرار حضرت مولانا محمد مغیرہ مدظلہ تھے۔درجہ اولیٰ کے ۵ اور درجہ ثانویہ کے ۶ طلباء نے شرکت کی۔مجموعی طور پر نتیجہ تسلی بخش رہا۔

شعبہ حفظ وناظرہ قرآن کے سالانہ امتحان ۲۳رشعبان المعظم ۱۴۲۵ھ مطابق ۹راکتوبر ۲۰۰۴ء بروز ہفتہ منعقد ہوئے۔ممتحن کے فرائض مدرسہ ہذا کے استاذ مولانا حافظ محمد اکمل نے انجام دیئے۔مجموعی طور پر ۱۳۰ طلباء نے امتحان میں شریک ہوئے اور نتیجہ تسلی بخش رہا۔اساتذہ کرام نے طلباء پر جو محنت کی تھی اس کا نتیجہ امتحانات کی صورت میں نظر آیا۔

مدرسہ ختم نبوت مسجد احرار چناب نگر کے امتحانات

مدرسہ ختم نبوت چناب نگر میں شعبہ حفظ وناظرہ قرآن کریم کے طلباء نے امتحان دیا۔دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی کے صدر مدرس قاری محمد قاسم صاحب ممتحن تھے۔نتیجہ اطمینان بخش رہا۔

علاوہ ازیں بخاری ماڈل سکول میں شعبہ پرائمری ومڈل کے طلباء تعلیم میں مشغول ہیں جوان شاءاللہ مارچ ۲۰۰۵ء میں بورڈ کے امتحان میں حصہ لیں گے۔

مدرسہ معمورہ، میراں پور (میلسی) کے امتحانات

میراں پور (۲۰رستمبر) مدرسہ معمورہ ملتان کی شاخ مدرسہ معمورہ، میراں پور (میلسی) میں ناظرہ وحفظ قرآن کریم کے طلباء کے امتحانات ۴رشعبان المعظم ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰رستمبر ۲۰۰۴ء بروز سوموار منعقد ہوئے۔جس کے ممتحن حافظ مولوی عبدالرزاق صاحب تھے۔انہوں نے مدرسہ کے مدرس ومنتظم حافظ محمد اکرم احرار کی محنت وخلوص پر انہیں مبارکباد پیش کی۔

ادارہ

اَخبارُالاحرار

مجلس احرار ہند کی سرگرمیاں

احرار کی تحریک تحفظ ختم نبوت قابل تحسین ہے: مولانا رابع حسنی ندوی

لکھنؤ (الاحرار) عالم اسلام کے مشہور دینی ادارے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم اعلیٰ مولانا رابع حسنی ندوی (چیئرمین مسلم پرسنل لاء بورڈ) کے ساتھ کل ہند مجلس احرار کے امیر مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی نے ندوۃ العلماء میں خصوصی ملاقات کی۔ اس موقع پر ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی، مولانا حمزہ حسنی، مولانا عبداللہ حسنی، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی، مولانا عبدالقادر اور مولانا محمد زکریا موجود تھے۔

حضرت مولانا رابع حسنی ندوی نے ملک بھر میں مجلس احرار کی جانب سے چلائی جانے والی تحریک تحفظ ختم نبوت کو ایک قابل تحسین عمل بتاتے ہوئے کہا کہ تحفظ ختم نبوت کے لیے اہل ندوہ کا ہر قسم کا تعاون احرار کے ساتھ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم احرار کی تحریک تحفظ ختم نبوت کی مکمل تائید کرتے ہیں اور اس تحریک میں پیش آنے والے سخت مراحل میں اہل ندوہ کسی بھی قیمت پر احرار کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ انہوں نے کہا کہ فتنۂ قادیانیت ملت اور ملک کے لیے ناسور ہے۔ اس کا تعاقب وقت کا اہم تقاضا ہے۔ مولانا رابع حسنی ندوی نے امیر احرار مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی سے اسیران ختم نبوت کے متعلق گفتگو فرمائی۔ اس موقع پر امیر احرار سے گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی نے کہا کہ فتنہ قادیانیت کو بے نقاب کرنے کے لیے علماء لدھیانہ کی قربانیاں ناقابل فراموش ہیں۔ مولانا حمزہ حسنی نے کہا کہ ضرورت ہے کہ تمام اسلامی جماعتیں متحد ہو کر عالمی طور پر قادیانیت کا تعاقب کریں، مولانا عبداللہ حسنی نے امیر احرار سے گفتگو کے دوران بتایا کہ ندوۃ العلماء کی جانب سے قادیانیت کا تعاقب جاری ہے۔ قادیانیت سے متاثر کئی مقامات پر دوبارہ اسلامی تعلیم عام کی گئی ہے اس سلسلہ میں مکاتب قائم کئے گئے ہیں۔

امیر احرار نے سفر سے واپسی پر الاحرار کو بتایا کہ ندوۃ العلماء میں حضرات علماء کرام اور طلبہ کے جذبۂ اسلام کو دیکھ کر ایمان میں تازگی آ گئی، انہوں نے بتایا کہ اہل ندوہ سے علماء لدھیانہ کا ڈیڑھ سو سالہ قدیم تعلق ہے، قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحب شہید کے دور میں علماء لدھیانہ کے سرخیل حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب لدھیانویؒ کا شاہ صاحب شہید سے قریبی تعلق تھا، شاہ صاحب شہیدؒ کے لشکر کو کمک بھیجی گئی تھی، حضرت شہیدؒ کے کوچ کرنے کے بعد ام

المجاہدین (حضرت شاہ شہیدؒ کی اہلیہ محترمہ) نے مولانا شاہ عبدالقادر لدھیانوی کو خط لکھا جس میں مجاہدین کی بدنی اور مالی امداد کی ترغیب دی گئی، امیر احرار مولانا حبیب الرحمان ثانی لدھیانوی نے فرمایا کہ اہل ندوہ کیساتھ احرار کا تعلق قائم رہے گا۔

مسلمان متحد ہو کر باطل قوتوں کا منہ توڑ جواب دیں: مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی

لکھنؤ (الاحرار) دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں امیر احرار مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی کی آمد پر جمعیۃ الاصلاح کی جانب سے ندوہ کے سلیمانیہ ہال میں ایک تقریب زیر صدارت مولانا عارف سنبھلی (استاذ ندوۃ العلماء) منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا عبدالسلیم ندوی، مولانا عالم ندوی، ڈاکٹر ہارون الرشید و دیگر حضرات موجود تھے۔ اس موقع پر طلباء کرام کے کثیر اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے امیر احرار مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی نے کہا کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کو پیش آنے والے حالات کے مدنظر ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو کر باطل طاقتوں کا منہ توڑ جواب دیں ۔امیر احرار نے کہا کہ دین اسلام بہادروں کا مذہب ہے نہ کہ بزدلوں کا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے بزدلی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سچا مسلمان بزدل نہیں ہوسکتا۔

اکثر مسلم علاقوں میں تیزی سے جاری مسلکوں کی لڑائی کو انتہائی افسوسناک بتاتے ہوئے امیر احرار نے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ مسلک کی لڑائی میں لگ کر اسلام کا نقصان نہ کریں۔ یہ مستقبل کے لیے خطرناک ہوگا۔ امیر احرار نے تمام مسالک کے علمبرداروں کو کہا کہ اس وقت دین اسلام کے تحفظ کی ضرورت ہے۔ دین رہے گا تو مسلک بھی رہیں گے۔ اس لیے متحد ہو کر ہر سطح پر دشمن کا مقابلہ کریں۔ امیر احرار نے کہا کہ قادیانیت ایک ناسور ہے جس کا علاج اشد ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ احرار نے قادیانیت کے فتنہ کو ختم کرنے کے لیے قربانیاں دی ہیں اور جب بھی ضرورت ہوگی احرار تاج ختم نبوت کی حفاظت کے لیے کسی بھی قسم کی قربانی دینے سے گریز نہیں کریں گے۔ امیر احرار نے کہا کہ جہاد اسلام کا مقدس فریضہ ہے اس سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے کہا کہ تلوار رکھنا بھی حضور نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ حضور بہادر نبی تھے اور اللہ تعالیٰ بہادروں کو پسند فرماتے ہیں۔ امیر احرار نے کہا کہ طلباء اسلام کا مستقبل ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ حضرات ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد اپنے اپنے علاقہ میں اہم دینی خدمات انجام دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج مسلم حکمران خود اپنی حفاظت کے لیے امریکہ کی افواج کے محتاج ہیں جبکہ اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ ایک دور تھا کہ اسلامی افواج سے کفر کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہوجایا کرتا تھا۔ امیر احرار نے کہا کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کے پاس سب کچھ ہے، دولت ہے، افواج ہیں، حکومتیں ہیں، اسلحہ ہے لیکن اگر کچھ نہیں ہے تو وہ اتفاق ہے ۔انہوں نے کہا کہ ہمیں اتفاق کی طاقت حاصل کرنی ہوگی۔ تب ہی اللہ کی مدد آئے گی اور یاد رکھیں جن کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے ان کے سامنے دنیا کی تمام باطل طاقتیں سرنگوں ہوجایا کرتی ہیں۔

ادارہ

ظلمت سے نور تک

کرناٹک میں تین ہزار افراد نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کرلیا

گلبرگہ (الاحرار) ''اینٹی قادیانی مومنٹ اِن اسلام'' کے بموجب پوسٹ رنگم پیٹھ، تعلقہ شولا پور ضلع گلبرگہ (کرناٹک) کے بارہ گاؤں کے تقریباً ایک ہزار گھرانوں کے افراد نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کرلیا ہے۔

صدر مجلس تحفظ ختم نبوت کرناٹک مولانا سید صدیق احمد الشاعق ملی تعلقہ جیور گی ضلع کے مطابق اور دیگر اراکین عرصہ تین سال سے تحفظ ختم نبوت کا کام کر رہے تھے، جس میں انہیں دقت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کیونکہ قادیانی مبلغین نے گاؤں والوں کے ذہنوں کو قادیانیت کے سانچے میں ڈھال لیا تھا، جس کی وجہ سے ان کی تبلیغ بھی کام نہیں کر رہی تھی لیکن ''اینٹی قادیانی مومنٹ ان اسلام'' کا شائع کردہ پمفلٹ کنڈی زبان میں ترجمہ کرا کے شائع کیا گیا اور گاؤں گاؤں میں قادیانیوں کو پانچ لاکھ روپے کا انعامی چیلنج اور دیگر لٹریچر، فتاویٰ اور کتابیں تقسیم کئے گئے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کشمیر میں نہیں ہے۔ احتشام الحق اور ڈاکٹر راشد علی کے شائع کردہ پانچ لاکھ روپیہ کے انعامی چیلنج نے جھوٹے نبوت و رسالت کے دعوے دار مرزا قادیانی اور اس کے مبلغین کے سفید جھوٹ کا بھانڈہ پھوڑ دیا اور یہ چیلنج قادیانی مبلغین کے حلق میں کانٹا ثابت ہوا۔

گاؤں کے لوگوں نے قادیانی مبلغین سے انعامی چیلنج کا جواب طلب کیا اور انعام حاصل کرنے کے لیے کہا جس پر قادیانی مبلغین نے فرار ہونے میں اپنی عافیت سمجھی، جس کے نتیجے میں تعلقہ شولا پور ضلع گلبرگہ کے ۹ گھر یہات، چکسر بحال کے ۱۵۰ گھر، شبٹگی کے ۴۰ گھر، بونال کے ۸۰ گھر، ناگرال کے ۱۰۰ گھر، گنگی کے ۱۰۰ گھر چوڑیشور حال کے ۱۱۰ گھر، ملی کے ۴۰ گھر، ہدنور کے ۳۰ گھر، ایوڑ کے ۸۰ گھر اور ضلع جیوگی تعلقہ ہیرگہ کے ۱۰۰ گھر، ارلکنڈی کے ۸۰ گھر اور املا آباد کے ۹۰ گھرانوں نے بہت ہی آسانی سے صرف اور صرف اینٹی قادیانی مومنٹ کے انعامی چیلنج سے تقریباً تین ہزار افراد نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ ان تمام دیہاتوں سے قادیانیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہے۔ مولانا صدیق احمد الشاعق کے قول کے مطابق ضدی کٹر پنتھی قادیانیوں نے قبول اسلام پر اینٹی قادیانی مومنٹ ان اسلام کے مختصراً تحریر کردہ انعامی چیلنج پمفلٹ کی تعریف کی اور احتشام الحق کی ان کوششوں کو سراہا، جس کے ذریعے انہیں جہنم میں جانے سے نجات ملی اور قادیانی مبلغین کا رقم کا لالچ بھی ان کے ایمان کو ڈگمگا نہیں سکا۔ کرناٹک کے ضلع گلبرگہ کے اکثر دیہات میں قادیانیوں نے شاطرانہ چالیں چلتے ہوئے لبادۂ اسلام میں پہلے تو مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسایا اور پھر ان کو

قادیانیت میں داخل کرلیا۔سادہ لوح مسلمان ان قادیانیوں کو اپنا دوست سمجھتے رہے لیکن جب ان پر حقیقت افشاں ہوگئی تو ان بھولے بھالے مسلمانوں میں عشق رسول (ﷺ) کا ایک طوفان موجزن ہوا جس نے قادیانیت کو اس خطہ میں پاش پاش کردیا۔کرناٹک میں قادیانیت کے خلاف نمایاں خدمات انجام دینے پر مجلس احرار ہند کے امیر مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی نے اینٹی قادیانی موومنٹ ان اسلام کے ناظم اعلیٰ احتشام الحق باری اور ڈاکٹر راشد کو مبارک باد دیتے ہوئے ان کے کام کو قابل تحسین قرار دیا۔امیر احرار نے کہا کہ اگر اسی طرح ملک کے ہر گوشے میں تیزی کے ساتھ تحفظ ختم نبوت کا کام ہو تو قادیانیت قادیان میں سمٹ جائے گی۔

ہندو میاں بیوی کا قبول اسلام

کراچی: جمعیت علماء طاہر یہ نارتھ ناظم آباد کے سرپرست علامہ قاری شاہ محمد نقشبندی کے ہاتھ پر ایک ہندو میاں بیوی نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کرلیا ہے جن کے نام محمد سومار اااور بختاور رکھنے کے بعد ان کا نکاح بھی دوبارہ پڑھایا گیا ہے۔

جانباز مرزاؒ......حیات وادبی خدمات

تحریکِ آزادی کے نامور کارکن اور ممتاز شاعر وادیب جانباز مرزا مرحوم پر محمد عمر فاروق، ایم فل (اردو) کا مقالہ بعنوانِ بالا کے تحت لکھ رہے ہیں۔(جس کی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے باضابطہ طور پر منظوری واجازت دے دی ہے۔) جو احباب جانباز مرزا کے حالاتِ زندگی اور اُن کی تخلیقات سے متعلق معلومات رکھتے ہوں۔نیز ان کے پاس جانباز مرحوم کی نظمیں، خطوط، مضامین اور ماہنامہ ''تبصرہ'' کے شمارے موجود ہوں، ازراہ کرم اُن کی کاپی عطا فرمائیں یا آگاہ فرمائیں۔خود حاضر ہو کر بصد شکریہ استفادہ کیا جائے گا۔

جانباز مرزا کی درج ذیل تصنیفات تاحال دستیاب نہیں ہوسکیں۔ان کے متعلق معلومات مطلوب ہیں:

۱ ''حبسیاتِ جانباز'' (کلام)

۲ ''درسِ حریت'' (کلام)

۳ ''تارِ گریباں'' (کلام)

۴ ''اور دیکھتا چلا گیا''

رابطہ محمد عمر فاروق 71/10 فیصل چوک تلہ گنگ، ضلع چکوال

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلس احرار اسلام
چیچہ وطنی کے زیرِ انتظام

جنت میں گھر بنائیے!

مرکزی مسجد عثمانیہ

ہاؤسنگ سکیم چیچہ وطنی کی تعمیر مسلسل جاری ہے۔ تقریباً دو کنال رقبے پر مشتمل مسجد اور ملحقات کا فرش اور چھتیں مکمل ہو چکی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ دنوں میں ایلومینیم کے دروازوں کا کام شروع ہونا ہے جس کا تخمینہ تقریباً پانچ لاکھ روپے سے زائد ہے۔ اب تک پچاس لاکھ سے زائد خرچ ہو چکا ہے جبکہ تکمیل تک تقریباً پندرہ لاکھ روپے مزید درکار ہیں۔ تعمیر کا کام جاری رکھنے اور خصوصاً دروازوں کے لیے فوری توجہ اور تعاون کی ضرورت ہے۔

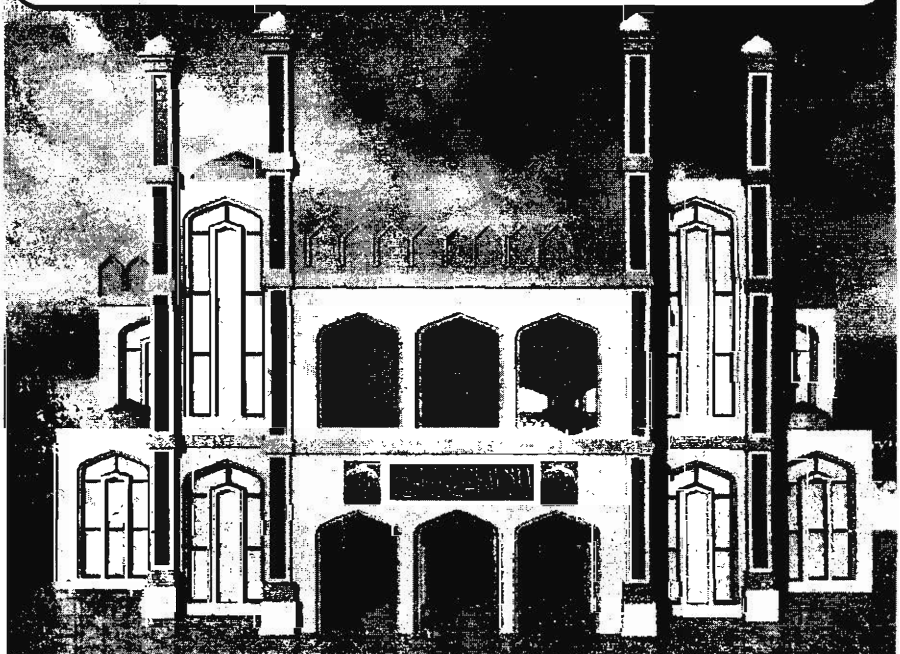

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر: 2324-9 نیشنل بینک جامع مسجد بازار چیچہ وطنی
اکاؤنٹ بنام: مرکزی مسجد عثمانیہ ہاؤسنگ سکیم چیچہ وطنی

منجانب انجمن مرکزی مسجد عثمانیہ (رجسٹرڈ) ای بلاک لوانکم ہاؤسنگ سکیم چیچہ وطنی
0445 482253

ساغراقبالی

آخری صفحہ

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ جامع الصفات شخصیت تھے۔ خطابت میں اُن کا کوئی ثانی نہ تھا۔ تصوف میں وہ نہایت بلند درجہ پر فائز تھے۔ ہم عصر علماء میں انہیں ممتاز مقام حاصل تھا۔ شعرفہمی اور شعر گوئی میں اعلیٰ ذوق کے حامل تھے بلکہ خود قادر الکلام شاعر تھے۔ شعروادب کے حوالے سے اپنے عہد کے شعراء وادباء سے اُن کے گہرے مراسم تھے۔ وہ اقبال کے ارادت مند اور اقبال اُن کے نیاز مند تھے۔ عرشی، ظفر علی خاں، جوش، فیض، تاثیر، جگر، ساحر، اختر شیرانی، صوفی تبسم، حفیظ، احسان دانش، پطرس، حسین میر، ساغر، سیف سب شاہ جی کے نیاز مندوں میں سے تھے اور ان کے ہاں آتے جاتے تھے۔

مارچ ۱۹۵۹ء میں ملتان کے ایک مشاعرے میں سید عبدالحمید عدؔم تشریف لائے تو معروف شاعر حافظ لدھیانوی انہیں شاہ جی کے ہاں لے آئے۔ شاہ جی نے چائے سے تواضع کی اور کچھ سنانے کو کہا۔ عدؔم نے دو تین غزلیں سنائیں۔ شاہ جی نے جن اشعار پر عدؔم کو داد دی وہ اپنی ڈائری پر عدؔم سے لکھوائے۔ ذیل میں پہلی مرتبہ اس کا عکس شائع کیا جا رہا ہے۔

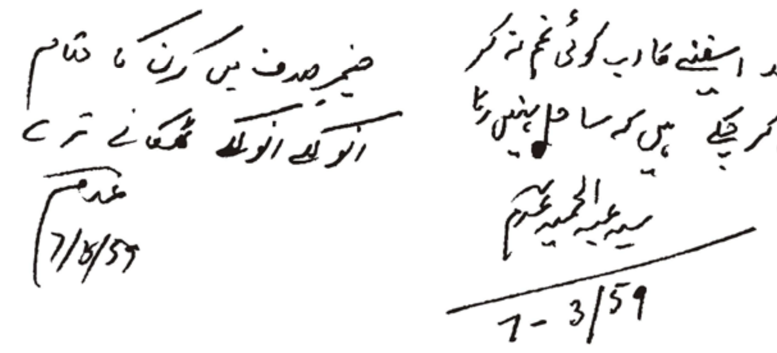
اے ناخدا سفینے کا اب کوئی غم نہ کر
ہم غرض کر چکے ہیں کہ ساحل نہیں رہا
سید عبدالحمید عدم
7-3/59
ضمیرِ صدف میں کرن کا مقام
انوکھے انوکھے ٹھکانے ترے
عدم
7/3/59

اے ناخدا سفینے کا اب کوئی غم نہ کر
ہم فرض کر چکے ہیں کہ ساحل نہیں رہا

ضمیرِ صدف میں کرن کا مقام
انوکھے انوکھے ٹھکانے ترے

سید عبدالحمید عدؔم۔ ۷ر مارچ ۱۹۵۹ء

Adarts-SJLS-1/2001

Monthly" Naqeeb-e-Khatm-e-Nabuwwat" Multan. Regd. M#32

مجلس احرار اسلام سے وابستہ بچوں اور نوجوانوں کا دوسرا سالانہ تربیتی اجتماع

شُبّانِ اُحرارِ اِسلام کانفرنس

مرکزِ احرار دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

31,30,29 دسمبر 2004ء بدھ، جمعرات، جمعہ

بعض تکنیکی مجبوریوں کی وجہ سے یہ اجتماع ستمبر میں منعقد نہ ہوسکا۔ اب ان شاء اللہ پوری شان وشوکت کے ساتھ مجلس احرار اسلام کے یومِ تاسیس کے موقع پر منعقد ہو رہا ہے۔ احرار کارکن اپنے بچوں اور جوانوں کو اس اجتماع میں شرکت کے لیے تیار کریں دسمبر کے پہلے ہفتے میں شرکاء کی تعداد سے مطلع فرمائیں۔ **پروگرام کی تفصیل جلد ارسال کی جارہی ہے**

مدرسہ معمورہ ملتان

تمام سابق طلباء متوجہ ہوں

مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم ملتان سے گزشتہ بیس برسوں میں حفظ قرآنِ کریم مکمل کرنے والے حفاظ اور درس نظامی کی تکمیل کرنے والے طلباء کا اجتماع بھی اسی موقع پر منعقد ہو رہا ہے۔ جن طلباء کے پتے موجود ہیں۔ انہیں دعوت نامے ارسال کئے جارہے ہیں۔ جن کے پتے موجود نہیں، وہ اس اعلان کو دعوت نامہ تصور کریں، خود رابطہ کریں اور اجتماع میں شریک ہوں۔

- اکابرِ احرار اور اساتذہ، طلباء سے تربیتی خطاب کریں گے۔
- تمام شرکاء 28 دسمبر کی شام مدرسہ معمورہ پہنچ جائیں
- اپنی آمد سے بروقت مطلع فرمائیں۔

شعبہ نشر واشاعت: مجلس احرار اسلام پاکستان

رابطہ: ملتان: 061-511961 لاہور: 042-5865465 چیچہ وطنی: 0445-482253 چناب نگر: 04524-211523

احرار گرافکس